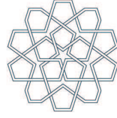
متفرق مضامین



- ووٹ کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر (۲۰۱۴ء)
- جماعت اسلامی کی ویلفیئر پارٹی آف انڈیا (۲۰۱۱ء)
- کرے غیر گر، بت کی پوجا تو کافر (۲۰۰۸ء)
- اتحاد امت کی راہ میں رکاوٹیں (۲۰۱۴ء)
- غلبۂ دین منہج نبی آخر الزماں ﷺ (۲۰۱۲ء)
- دعوت اور مسائل (۲۰۱۳ء)
- موجودہ حالات میں اُمت مسلمہ کی ذمہ داری (۲۰۱۵ء)
- شریعت میں تبدیلی کا سنگین مسئلہ (۲۰۱۷ء)
- پوری دنیا کے حکمرانوں کے نام ایک پیغام (۲۰۲۰ء)
- فلسطینیوں کے جذبۂ سرفروشی کا منبع (۲۰۱۴ء)
- نبی ﷺ کی شان اقدس پر فدا ہونا مبارک ہو! (۲۰۲۲ء)



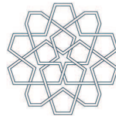
متفرق مضامین



صفحہ نمبر	عناوین



ووٹ کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر



مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا ووٹ کے شرعی اور اسلامی نقطۂ نظر سے متعلق منصف ۱۷/۱پریل ۲۰۱۴ء میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا جائزہ ہم یہاں لیں گے۔ مولانا رحمانی نے لکھا ہے کہ ووٹ کے بارے میں اسلامی اور شرعی نقطۂ نظر کو جاننے کی ضرورت ہے اور اسلام کے اصولی احکام کی روشنی کا بھی نام لیا۔ لیکن اسلام کے اصولی احکام کیا ہیں اس کا اتہ پتہ نہیں بتایا اس سلسلہ میں ہم دو چیزوں کا ذکر کر سکتے ہیں۔

① ۔ حدیث صحیح سے ثابت اور مشہور ہے کہ عہدہ اور منصب طلب کرنے والے کو عہدہ اور منصب دینا صحیح نہیں ہے امام بخاری نے ''کتاب الاحکام'' میں باب باندھا ہے۔ ''مایکرہ من الحرص علی الامارۃ'' اور ابوموسیٰ کی روایت لاتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ''انا لا نولی ھذا من سألہ ولا من حرص علیہ'' جوشخص خود اس چیز کا طالب ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو اس کو ہم یہ کام سپرد نہ کریں گے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ جب لوگ خود طلب اور حرص نہ کریں گے تو کشمکش اور مقابلہ بھی نہ ہوگا اور امت کے لئے نہایت آسان ہوجائے گا کہ اہل و اصلح کو منتخب کریں۔

اس حدیث میں گویا ایک اصول بتادیا گیا۔ اس اصول کی روشنی میں موجودہ صورتحال پر غور کیجئے کیا ایسا نہیں ہے کہ الیکشن میں اٹھنے والا کینڈیڈیٹ منصب کا طلب گار ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتا ہے لاکھوں روپئے خرچ کرتا ہے ہر دھونس دھاندلی ، غنڈہ گردی ، جھوٹ سچ سے کام لے کر بہرصورت اسمبلی اور پارلیمنٹ کی سیٹ جیتنا چاہتا ہے اس پر حدیث کی روشنی میں کیا حکم لگایا جائے؟ کیا کوئی امیدوار اس لائق ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور جو اس کی مدد کرے گا کیا وہ ارشاد رسول ﷺ کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہوگا؟ اب بتایئے کہ منصب کے طلب گار کو ووٹ دینا گناہ نہیں ہے؟ اور منصب کی طلب اس کے

استحقاق کوختم نہیں کردیتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی حقانیت پر یقین رکھنے والا کوئی مسلمان ووٹ دے کر اس کے مستحق ہونے کی گواہی کیسے دے گا؟ جبکہ اللہ کے رسول ﷺ اس کو غیر مستحق اور نالائق بتا رہے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا تو وہ گناہ کا کام کرے گا۔ اس گناہ کے کام کو واجب کہنا کتنا بڑا گناہ ہے مولانا رحمانی صاحب کو اس کا احساس ہونا چاہیے۔

۲۔ دوسرا اصول: نبی ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم منصب خلافت وحکومت پر فائز ہوئے۔ کیا چاروں خلفاء کے انتخاب کے موقع پر کوئی امیدوار سامنے آئے؟ کیا کسی نے منصب خلافت کی جدوجہد فرمائی؟

ان دونوں اصولوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ جمہوری طریقۂ انتخاب کا سسٹم پوری طرح غیر اسلامی ہے لہٰذا قرآن وحدیث اور دینی اصولوں کی روشنی میں قابل رد ہے اور قابلِ اجتناب ہے جو شخص بھی چاہے کتنا فقیہ اور عالم کیوں نہ ہو، اگر اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ لامحالہ بے بنیاد تاویلات کرے گا۔ کیونکہ غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دلیل بھی غلط لانی پڑے گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا رحمانی صاحب نے دلیل کے طور پر جو باتیں پیش کی ہیں وہ سب بے محل اور غلط بنیاد پر ہیں۔ رحمانی صاحب کی غلط بات اور غلط دلیل بیان کرنے سے پہلے ہم مسلمان اور حکومت کے تعلق سے کچھ ضروری باتیں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

علاّمہ محمد سلیمان قاسمی فریضۂ خلافت کے عنوان پر ''طلبہ اور نوجوانوں کی ذمہ داریاں'' بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ دنیا کے علوم وفنون کا مطالعہ کرنے اور ان میں مہارت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ میں جو اسلامی تحریکیں نبی ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام کی نگرانی میں اٹھتی رہی ہیں۔ ان کا غور وفکر کے ساتھ گہرا اور تفصیلی مطالعہ کریں اور ان تحریکوں سے اپنے دور میں اسلامی تحریک برپا کرنے کیلئے ذہنی وفکری اور اخلاقی وروحانی غذا حاصل کریں، یاد رہے کہ یہ دعوتی داستانیں اگرچہ بائبل میں اور تاریخی لٹریچر میں بھی بکھری ہوئی اور منتشر حالت میں ملتی ہیں لیکن ان کا مستند ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ ہے قرآن مجید۔

★ جناب نبی کریم ﷺ نے جو اسلامی تحریک برپا کی تھی وہ بڑی تفصیل کے ساتھ محفوظ ہے۔ قرآن مجید کی رہنمائی میں یہ تحریک پیدا ہوئی۔ پروان چڑھی مختلف مراحل سے گزری اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور ہر موقع پر بروقت رہنمائی سے حضور ﷺ نے فائدہ اٹھایا۔ قرآن کے علاوہ سیرت کا عظیم ذخیرہ موجود اور محفوظ ہے۔ غرض حضور کی برپا کی ہوئی اسلامی تحریک کے تفصیلی مطالعہ کے بغیر اور اسے اپنا رہنما بنائے بغیر آپ یا کوئی شخص بھی اسلامی تحریک برپا نہیں کرسکتا۔

★ خلفائے راشدینؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، فقہاء کرامؒ، محدثین عظامؒ، مجددینؒ اور مجاہدینؒ اور دیگر بزرگان دین جو تحریکیں انفرادی یا اجتماعی طور پر چلاتے رہے ہیں ان سب کا مطالعہ آپ کے لئے ضروری ہے۔

★ آج کے دور میں جو اسلامی تحریکیں دنیا میں اور خود آپ کے برصغیر میں برپا ہیں ان کے لٹریچر سے آپ کو بھرپور استفادہ کرنا چاہیئے۔

غرض کہ آپ کی عظیم اور اہم ذمہ داری یہ ہے کہ دنیا میں نظام خلافت قائم کرنے کے لئے اپنی ذہنی، جسمانی اور ہر طرح کی توانائیاں صرف کریں اور اسی عظیم مقصد کو اپنا نصب العین قرار دیں۔

حاکمیت:

ہر حکومت کسی نہ کسی نظریۂ حاکمیت پر قائم ہوتی ہے۔ اسلام کا نظریۂ حاکمیت یہ ہے کہ کوئی انسان (شخص، طبقہ، گروہ پارٹی یا پوری جنتا کوئی بھی) حاکم نہیں ہوسکتا حاکم صرف وہی ہوسکتا ہے اور وہی ہے جو زمین کا اور زمین پر بسنے والے انسانوں کا بلکہ پوری کائنات کا خالق، مالک اور حاکم ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ. (یوسف:۴۰)

ترجمہ: حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں، اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہ صحیح دین ہے۔

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (آل عمران:۱۵۴)

ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدۃ:۴۴)

ترجمہ: جو خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔

غرض کہ حاکمیت (SOVEREIGNTY) اللہ کیلئے مخصوص ہے۔ اسی طرح قانون ساز (LAWGIVER) بھی اصلاً صرف اللہ ہے۔ عام انسان تو عام ہیں، نبی خود بھی اللہ ہی کے حکم اور قانون کا پیرو ہوتا ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (یونس:۱۵)

ترجمہ: میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔

خلافت:

اسلامی حکومت کو خلافت اسی لئے کہتے ہیں کہ اسلامی تعلیم کے مطابق بادشاہی اور حاکمیت (SOVEREIGNTY) صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے، انسان کو اللہ کا خلیفہ اور نائب ہونے کی حیثیت سے اس کے احکام وقوانین کے مطابق نظم حکومت قائم کرنے کا حق اور اختیار ہے۔ بلکہ اللہ کے وفادار اور فرماں بردار بندوں کا یہ فرض بھی

ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اس کے احکام وقوانین نافذ کریں، اور وہ نظام قائم کریں جو وہ ہمیشہ اپنے نبیوں کے ذریعہ بھیجتا رہا ہے اور جسے آخری اور معیاری شکل میں خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کیا، جو قیامت تک کے لئے نمونہ اور اُسوہ ہے۔

خلافت راشدہ:

وہ حکومت جو حاکمیت الٰہ اور نیابت انسانی کی بنیاد پر قائم ہو، جس کا دستور قرآن وسنت ہو۔ جہاں احکام شریعت کا اجراء اور حدودشریعت کا نفاذ ہو، اصول دین کی تبلیغ کی جاتی ہو، شورائیت کا پاس ولحاظ رکھا جاتا ہو۔ غرض کہ مذہب وسیاست ومعاشرت ومعیشت اور زندگی کے تمام معاملات میں احکام الٰہی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نمونہ بنایا جاتا ہو، اسے خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہتے ہیں۔

خلفائے راشدین:

خلفاء خلیفہ کی جمع ہے اور راشدین راشد کی جمع ہے۔ راشد، ہدایت پر چلنے والے کو کہتے ہیں یعنی وہ حکمراں جو خود بھی ہدایت پر تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت پر قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جنھوں نے بالکل قرآن و سنت کے مطابق حکومت کی۔

فریضہء خلافت:

اسلامی حکومت قائم کرنا ایسا فریضہ ہے جس پر تمام امت کے فقہاء اور علماء کا اتفاق ہے لیکن ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ شرعی طور پر واجب ہے۔

کیوں کہ:

① — رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

② — خلافت قائم کرنا مسلمانوں پر واجب ہے اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ کا تقرر ضروری سمجھا اور اس کو اس قدر اہمیت دی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مبارک کو دفن کرنے سے پہلے یہ فریضہ انجام دیا۔

③ — اسلامی نظام قائم کرنا واجب اور ضروری ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ حدود اور قصاص اور دیگر اسلامی قوانین کا نفاذ اور اجراء، حکومت کے بغیر نہیں ہوسکتا حالانکہ حدود وقصاص وغیرہ اسلامی قوانین کا نفاذ واجب ہے اور واجب جس چیز پر موقوف ہو وہ بھی واجب اور ضروری ہوتی ہے۔

فقہاء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نظام خلافت کا قیام عقلاً واجب ہے۔ کیوں کہ ہر سوسائٹی اور سماج کو ایک ایسی

طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے قانون کو جاری کرے، اس کے جھگڑے چکائے اور امن وامان قائم کرے۔'' (مختصر تاریخ خلافت راشدہ، ص: ۱۰ تا ۱۴)

مولانا قاسمی صاحبؒ کی تحریر کا جو یہ اقتباس ہم نے اوپر درج کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت قائم کرنا ایک فریضہ ہے اور واجب ہے۔ یہ فریضہ کیسے ادا ہوگا اس کا سیدھا جواب ہے کہ غیر اسلامی حکومت کو ہٹایا جائے گا پھر اس کی جگہ اسلامی حکومت قائم کرنے کا فریضہ انجام دیا جائے گا ظاہر ہے ایک مسلمان جس کے ذمہ اسلامی حکومت قائم کرنے کا فریضہ عائد ہوتا ہے وہ کسی غیر اسلامی حکومت کے قیام، یا اس کے استحکام یا اس کے چلانے میں کیسے شریک ہوگا؟! اور وہ مجبور ہے تو کم از کم خاموش بیٹھا رہے گا۔ جمہوری حکومت کی جگہ اسلامی حکومت کا قیام اس کے پیش نظر رہنا چاہئے نہ کہ جمہوری حکومت کے استحکام اور چلانے میں حصہ لیا جائے۔ ہم مولانا رحمانی صاحب سے خواہش کریں گے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنا موقف واضح کریں اور بتائیں کہ اسلامی حکومت کے قیام کے وجوب کو کس بنیاد پر نظر انداز کر رہے ہیں؟ ہم سمجھتے ہیں وہ بھی اوپر بیان کردہ بات سے انکار نہیں کرسکیں گے چنانچہ اسی طرح کی اصولی باتوں کی بنا پر مولانا نے ایک جگہ یہ تسلیم فرمایا ہے کہ اصولی طور پر پارلیمنٹ کا ممبر بننا اور موجودہ حکومت کے کلیدی مناصب کو قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

مولانا رحمانی لکھتے ہیں:

''غیر اسلامی حکومت میں کلیدی عہدے: ''ایک اہم سوال یہ ہے کہ غیر اسلامی مملکت کے کلیدی عہدوں، صدارت، وزارت، تحفظ ودفاع، عدلیہ اور رکنیت پارلیمنٹ پر فائز ہونا جائز ہوگا یا نہیں؟ جب کہ ایسی ملازمتوں میں سیکولر اور غیر مذہبی ریاست ہونے کے لحاظ سے اسلامی قانون اور منصوص احکام کے خلاف فیصلوں میں شریک ہونا اور اس کی تنفیذ کا ذریعہ بننا پڑے گا۔

اصولی طور پر ظاہر ہے کہ یہ بات جائز نہ ہوگی۔ اس لئے کہ کسی شخص کی محض ملازمت سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ وہ کسی گنہگارانہ اور خلاف شرعی فیصلہ کا اور اس کے نفاذ اور ترویج کا ذریعہ بنے اور عملاً حاکمیت الٰہی کا انکار کرے''۔ (جدید فقہی مسائل، صفحہ: ۳۷۹)

اوپر ہماری بیان کردہ باتوں سے کسی قدر یہ بات آپ کے سامنے آگئی کہ واجب اسلامی حکومت قائم کرنا ہے اور اس واجب کو ادا کرنے کے لئے غیر اسلامی حکومت کو ہٹانا واجب ہے۔ فقہی اصول ہے کہ جس کام پر کسی واجب کی ادائیگی موقوف ہوتی ہے۔ وہ بھی واجب ہوتا ہے۔ مثلاً وضو کرنا واجب ہے تو اس کے لئے پانی کی تلاش واجب ہوگی۔ کوئی بے نمازی یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہوسکتا کہ میں نے نماز نہیں پڑھی کہ وضو نہیں تھا۔ وضو نہیں کیا کہ پانی نہیں تھا۔ بلکہ اس سے پوچھا جائے گا کہ پانی کے حصول کے لئے تم نے کیا کوششیں کیں۔

حصول پانی کے لئے اس نے کوشش کی تو ٹھیک ہے ورنہ وہ گرفت میں آئے گا۔

پس جس کو یہ شعور ہوگا کہ میری ذمہ داری اسلامی حکومت قائم کرنا ہے اور پھر اس کے لئے میری ذمہ داری بنتی ہے کہ میں غیر اسلامی حکومت کو ہٹاؤں وہ ووٹ کیسے دے گا اور ووٹ دے کر غیر اسلامی حکومت کے قیام و بقاء میں شریک کیسے ہوگا؟؟ یہ ٹھیک ہے ووٹ نہ دینے سے غیر اسلامی حکومت ہٹے گی نہیں۔لیکن وہ کم از کم ایک غلط کام سے بچ جائے گا اور گناہ گار نہیں ہوگا، یہاں یہ سمجھنا بالکل آسان ہے کہ ووٹ دینے کا مطلب دہرے گناہ کا مرتکب ہونا ہے۔ایک شریعت کے متفقہ فریضہ یعنی قیام حکومت اسلامی سے انکار، انحراف اور روگردانی دوسرے حکومت غیر اسلامیہ کے قیام و استحکام کا ذریعہ بننا۔

رحمانی صاحب نے ووٹ دینے کو شرعاً واجب بتایا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد اور کوشش کرنا مسلمان کا فریضہ بتاتی ہے اور مولانا غیر اسلامی حکومت کو قائم کرنے کو واجب بتارہے ہیں کتنی سنگین بات ہے!

بات کی سنگینی کو ختم کرنے کے لئے دو کام کرنا ہوگا۔اور وہ دونوں باتیں رحمانی صاحب یا اور کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ایک تو یہ کہنا کہ اسلامی حکومت قائم کرنا جس کا قیام و بقا اور استحکام مسلمان پر واجب ہے وہ فرض اور واجب نہیں ہے اور دوسرا غیر اسلامی نظام کے قائم کرنے اور اس کو چلانے کو واجب ثابت کرنا۔

ایک اور غلط بات:

مولانا رحمانی صاحب کی تحریر کو دیکھئے۔مولانا نے اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے اٹھنے والوں کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر تھے اور ان کا علم اور ان کی دیانت داری کہاں اور الیکشن میں اٹھنے والے کہاں؟!

مولانا نے خود ایک موقع پر ان کو کرپٹ، رشوت خور، ظلم وجور کے ذریعہ سرکار اور عوام کی املاک پر قبضہ کرنے والے، غنڈہ گردی کرنے والے، اخلاق کی دھجیاں بکھیرنے والے اور مظلوموں کی لاشوں پر چڑھ کر اپنا قد اونچا کرنے والے قرار دیا ہے۔

مولانا کے الفاظ پڑھیے:

> ''الیکشن گیا اور الیکشن کی ہماہمی گئی، وطن عزیز کے باشندوں نے اہل سیاست کے کیا کچھ کارنامے نہیں دیکھے؟ یہ بھی دیکھا کہ قوم کی نمائندگی کے لئے وہ لوگ امیدوار بن رہے ہیں، جن پر سنگین جرائم کی دفعات عائد ہیں، یہ بھی دیکھا کہ کرپٹ اور رشوت خور، ظلم وجبر کے ذریعہ سرکار اور عوام کی املاک پر قبضہ کرنے والے اور غنڈہ گردی کے ذریعہ اپنی دھونس جمانے والے، قومی اور مقامی پارٹیوں کی طرف سے کھڑے کئے گئے ہیں

کیوں کہ ان کے ذریعہ پارٹی کو فنڈ حاصل ہوتا ہے، تنہائیوں میں نہیں بلکہ اسٹیج پر اخلاق کی دھجیاں بکھیری گئیں۔ ایک دوسرے کے نجی واقعات کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا گیا، غرض کہ عمومی طور پر سیاسی قائدین نے اس بات کو واضح کر دیا کہ سیاست میں اخلاقی اقدار کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ بڑا لیڈر وہ نہیں ہے، جو قوم کا خادم ہو ملک سے محبت رکھتا ہو بلکہ بڑا لیڈر وہ ہے جو لفاظ ہو، پیسے بہا کر ووٹ خرید سکتا ہو، مظلوموں کی لاش پر چڑھ کر اپنا قد بلند کر سکتا ہو، یہ سب وہ مفاسد ہیں جو صرف ابھی گزرنے والے الیکشن ہی کا حصہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ الیکشن کے لوازم میں شامل ہو گئے ہیں، ہر الیکشن میں یہ منظر سامنے آتا ہے، اور روز بروز اس میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔'' (منصف ۱۷/اپریل ۲۰۱۴ء)

پھر دیکھئے مولانا رحمانی صاحب کہتے ہیں:

''الیکشن میں امیدوار بن کر اٹھنے والا دو باتوں کا دعویٰ کرتا ہے اول اپنی امانت و دیانتداری کا اور دوسرے اپنی اہلیت اور صلاحیت کا۔''

ہم کہتے ہیں یہ بات صحیح نہیں ہے اولاً امیدوار اپنی دیانت داری اور صلاحیت منوانے کا مدعی نہیں بلکہ وہ مدعی کسی دوسری چیز کا ہوتا ہے۔ بالفرض مولانا کی بات مان لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر مدعی کی قابلیت اور دیانت داری کی تصدیق وتوثیق کرنا ہر مسلمان کے لئے کیوں ضروری ہے؟ بے شمار لوگ کورٹ اور مارکٹ میں ہزاروں کا دعویٰ کرتے ہیں کیا ہر ایک کی تصدیق وتوثیق کرنا ضروری اور شرعاً واجب ہے؟ کوئی بھی بوالہول بازار میں پکارے کہ میں شہر میں سب سے بڑھ کر علم والا ہوں یا سب سے بڑا امانت ودیانت والا ہوں تو آپ کہیں کہ اس کی تصدیق واجب ہے ہاں ہوسکتا ہے کہ مدعی اپنی جگہ صحیح ہو لیکن کس بنیاد پر اس کی توثیق واجب ٹھہرتی ہے؟ آپ کہتے ہیں یہ گواہی ہے اور گواہی دینا ضروری ہے اور دین میں گواہی کی یہ اہمیت اور فضیلت ہے ٹھیک ہے۔ دین میں گواہی ضروری ہے اور گواہی چھپانا گناہ ہے۔ لیکن گواہی اس چیز کی دی جاتی ہے جس کو آدمی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو جو کام اس کے سامنے ہوا ہو ورنہ نہیں۔

بغیر علم اور جانکاری گواہی دینا جرم ہے بسا اوقات ایک ایک حلقہ میں دس دس بیس بیس امیدوار کھڑے ہوتے ہیں۔ کس بنیاد پر آپ گواہی دیں گے کہ فلاں امیدوار سب سے زیادہ دیانت دار ہے اور سب سے بڑا صاحب علم وصلاحیت ہے کیا آپ نے ہر ایک کے علم ودیانت کا امتحان لیا ہے؟ کیا آپ نے ہر ایک کے معاملات اور برتاؤ کو بذات خود پرکھا ہے جبکہ اکثر امیدوار دولت ایمان ویقین سے عاری ہوتے ہیں اور کلمہ شہادت کی ہوا بھی انہیں نہیں لگی ہوتی اور ظاہری اعتبار سے انبیاء اور صلحاء سے کوئی مشابہت بھی نہیں رکھتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں امیدوار کی صلاحیت اور دیانت کی ووٹ دے کر گواہی دو، نہ ایمان کی نہ صحت عقیدہ کی اور نہ

اتباع سنت نبوی ﷺ کی شرط لگاتے ہیں مطلق واجب ٹھہراتے ہیں!! جب کام کو شرعاً واجب کہا جا رہا ہے تو شرعی شرائط اور قیود کے ساتھ کہنا چاہئے۔

آپ کو کہنا چاہئے کہ بشرطیکہ مدعی کلمہ گو ہو، بشرطیکہ پابند شریعت ہو بشرطیکہ متشرع ہو بشرطیکہ تم نے بذات خود دس پانچ معاملات میں اس کی دیانت داری کا مشاہدہ کیا ہو وغیرہ وغیرہ۔ بغیر علم کے، بغیر معلومات کے اور بغیر مشاہدہ کے گواہی دینا اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور شریعت میں ممنوع ہے۔

صورت واقعہ کا صحیح ادراک

مولانا رحمانی صاحب نے کہا کہ الیکشن میں کوئی امیدوار بنتا ہے تو وہ گویا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں علم میں دیانت داری میں سب سے اچھا ہوں۔ صورت واقعہ کی یہ ناقص ترجمانی ہے اور اصل حقیقت سے دانستہ یا نادانستہ چشم پوشی کی گئی ہے۔

اس مقام پر سب سے پہلے جاننے کی ضرورت ہے کہ اسمبلی اور پارلیمنٹ کی کیا حیثیت ہے جس کے لئے الیکشن ہوتے ہیں۔ ''ارسطو نے پہلی بار حکومت کی تین حصوں میں تقسیم کی تھی جو قانون سازی، عاملانہ اور عدالتی تقسیم تھی اس عنوان کی بڑی تفصیل ہے اس سلسلہ میں ہم ''ڈاکٹر عبدالقیوم'' کی کتاب ''علم سیاسیات'' سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں تاکہ اسمبلی اور پارلیمنٹ کیا ہے معلوم ہو جائے۔

مقننہ

حکومت کے تین اعضاء مقنّنہ، عاملہ اور عدلیہ میں مقنّنہ کو ممتاز مقام اور موقف حاصل ہے۔ تمام جمہوری نظاموں میں مقننہ اقتدار اور حکومت کے اختیارات ورائے عامہ کا سرچشمہ سمجھی جاتی ہے۔ مختلف ممالک میں یہ مختلف ناموں سے جانی جاتی ہے، جیسے ہندوستان میں برطانیہ میں ''پارلیمنٹ'' امریکہ میں ''کانگریس'' روس میں ڈائیٹ''، ایران میں ''مجلس''، سعودی عرب میں ''مجلس شوریٰ'' اسرائیل میں ''کینسٹ'' اور پاکستان میں ''وفاقی اسمبلی''، وغیرہ۔ سعودی عرب کی مقننہ کے سوائے مذکورہ بالا تمام مقننہ عوامی منتخبہ ہیں۔ سعودی عرب کی مقنّنہ کو حاصل فرائض واختیارات اور مقام وموقف میں بھی فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ برطانیہ کی پارلیمنٹ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ''وہ سب کچھ کرسکتی ہے سوائے تبدیلئ جنس کے''، یعنی برطانوی پارلیمنٹ اعلیٰ ترین وبرتر اختیار کی حامل ہے۔ کوئی بھی دوسرا ادارہ اس کے اختیارات کو کم نہیں کرسکتا۔ لیکن دوسری طرف امریکہ اور ہندوستان میں عدالتی نظر ثانی کا عدلیہ کا برتر اختیار مقنّنہ کے اختیار کو کچھ حد تک کم کر دیتا ہے۔ اسی طرح سوئز رلینڈ کی مقنّنہ کے اختیار پر راست جمہوریت کے طریقہ ریفرنڈم، پیش قدمی اور تحریک واپس طلبی کا اثر

پڑتا ہے جس کی وجہ سے اس کے اختیارات محدود ہو جاتے ہیں۔

پروفیسر سی۔ایف اسٹرانگ مقنّنہ کے متعلق کہتا ہے کہ'' یہ حکومت کا وہ محکمہ ہے جس کا تعلق قانون سازی سے ہے۔ منطقی طور پر، قانون سازی عمل آوری سے پیشتر ہوتی ہے۔اس لئے پہلی نظر میں ہی مقنّنہ کی اہمیت عاملہ اور عدلیہ سے زیادہ ہے۔''اس طرح مقنّنہ بنیادی طور پر قانون ساز ادارہ ہے جس کی ابتداء ۱۲۹۵ء میں برطانوی حکمراں ایڈورڈ اول نے سماج کے مختلف طبقات پر مشتمل ایک ''ماڈل پارلیمنٹ'' کو طلب کرتے ہوئے کی تھی۔

ساری دنیا میں مقنّنہ کا پہلا اور بنیادی فریضہ قانون سازی ہے چوں کہ قانون سازی خود ایک مستقل عمل ہے۔ وقتاً فوقتاً پرانے قوانین پر نظر ثانی وترمیم کرنا اور نئے قوانین کو بنانا پڑتا ہے۔مقنّنہ ایک بحث ومباحثہ کا ادارہ ہے جہاں عوامی نمائندے عوامی مسائل پر گفت وشنید وغور وخوض اور مباحث کرتے ہیں۔قدیم دور سے ہی عوامی اسمبلیاں عوامی مسائل پر غور وخوض کا مرکز رہی ہیں۔اس کے بعد جدید دور میں قانون سازی مقنّنہ کا اہم اختیار بن گیا۔چنانچہ آج تمام ممالک میں مقنّنہ نئے قوانین کو مرتب کرتی ہے قدیم قوانین میں ترمیم کرتی ہے۔اور روزمرہ کی قانونی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔پارلیمانی جمہوریت میں عاملہ مقنّنہ کا ایک حصہ ہوتی ہے، اس لئے وہ قانون سازی میں مقنّنہ کی مدد ورہنمائی کرتی ہے۔جب کہ صدارتی جمہوریت میں مقنّنہ عاملہ سے علاحدہ رہ کر قانون سازی کا کام انجام دیتی ہے۔یہاں پر قانون سازی کے لئے عاملہ کو مقنّنہ پر مکمل انحصار کرنا پڑتا ہے۔

دوایوانی مقنّنہ میں قانون سازی کا عمل کسی قدر پیچیدہ ہو جاتا ہے چوں کہ ایک ایوان کی منظوری کے بعد مسودہ قانون دوسرے ایوان کو بھیجا جاتا ہے اور وہاں ازسرنو اس پر دوبارہ غور ہوتا ہے۔دونوں ایوانوں میں عدم اتفاق کی صورت میں قانون سازی کا عمل یا تو تعطل سے دوچار ہوتا ہے یا پھر بعض ممالک (آسٹریلیا اور ہندوستان) میں دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس کو طلب کرتے ہوئے اس تعطل کو دور کرلیا جاتا ہے۔''

(علم سیاسیات، ڈاکٹر عبدالقیوم صفحہ: ۲۴۳۔۲۴۴)

اس سے قبل ہم نے علّامہ سید سلیمان کی جو عبارت نقل کی ہے اس کو دوبارہ پڑھئے اور دیکھئے۔مولانا قاسمی نے آیات قرآنی کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ حاکمیت اور قانون سازی اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے قانون دینا صرف اللہ کا کام ہے مولانا رحمانی بحیثیت فقیہ ہم سے بہتر جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ جو شریعت بھیجی ہے وہ اللہ کا دیا ہوا قانون ہے۔کسی بھی معاملہ میں شرعاً سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا اللہ کی کتاب میں کیا حکم ہے؟ پھر سنت سے معلوم کیا جائے گا کیا ہدایت ہے؟ اگر کتاب وسنت میں کوئی حکم نہیں معلوم تو پھر اجماع اور قیاس کے ذریعہ حکم دریافت کیا جائے گا۔شریعت میں یہ چار چیزیں قانون معلوم کرنے کا ذریعہ

ہیں ان چاروں کتاب وسنت اجماع اور قیاس کو اصول فقہ یا اصول قانون کہتے ہیں۔ان ذرائع سے ہٹ کر جو قانون سازی کی جائے گی وہ بلاشبہ شرک اور الحاد ہوگا۔

ہم رحمانی صاحب سے پوچھتے ہیں اسمبلی اور پارلیمنٹ میں مذکورہ چار اصول فقہ کی روشنی میں قانون سازی ہوتی ہے یا اس کی گنجائش ہے؟ ظاہر ہے اسمبلی اور پارلیمنٹ میں اصول فقہ کے ان چاروں اصولوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا ہے۔

اس مقام پر اسمبلی اور پارلیمنٹ کے ووٹ دینے کو جو صاحب بھی جائز یا واجب کہتے ہیں ان کو ثابت کرنا پڑے گا کہ حاکمیت اور قانون سازی کا حق اللہ کے علاوہ کسی شخص، طبقہ، گروہ، پارٹی یا پوری قوم کو کیسے دیا جاسکتا ہے؟ یا پھر ان کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ اسمبلی اور پارلیمنٹ قانون ساز ادارے نہیں ہیں۔ان دو باتوں کو ثابت کئے بغیر ووٹ دینے کو جائز یا واجب نہیں کہا جاسکتا ہے۔

● ووٹ اگر امانت ہے تو بتایئے۔اس امانت کا کون حقدار ہے جن کو یہ امانت سونپی جائے؟

جن کو آپ ووٹ دیتے ہیں وہ تو اللہ کے لئے حاکمیت اور قانون سازی کو مخصوص نہیں مانتے۔وہ حاکمیت کا حق جمہور عوام کے لئے مانتے ہیں اور اللہ ورسول کی تعلیمات ومرضیات کے بجائے عوام کی اھواء، پسند ناپسند کو معیار قانون بتاتے ہیں اس طرح ووٹ دینا ایک خیانت ہے۔اور ووٹ دینے والا ان وعیدوں کا مستحق ٹھہرتا ہے جو خائنوں کو سنائی گئی ہیں، اگر ووٹ دینا شہادت اور گواہی ہے تو یہ ووٹ دینا شہادتِ زور ہے جھوٹی گواہی ہے کہ جو قانون سازی کے لائق اور مستحق نہیں ہیں ان کے آپ لائق اور مستحق ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور آپ شہادتِ زور دینے والوں کے لئے جو وعیدیں آئی ہیں ان کا اپنے آپ کو مستحق بنا رہے ہیں، دوسری طرف آپ کتمان شہادت کے مرتکب ہیں اس لئے کہ آپ کو گواہی تو یہ دینی چاہئے کہ قانون دینا اللہ اور رسول ﷺ کا کام ہے یا پھر ان کا کام جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اللہ ورسول کی دی ہوئی شریعت کا پورا علم رکھتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کا جو ایمان وعلم سے محروم ہیں۔الیکشن میں جو لوگ امیدوار بن کر کھڑے ہوتے ہیں وہ کیسے ہوتے ہیں، ان کے علم وعمل کا نقشہ مولانا رحمانی صاحب کے لفظوں میں آپ نے ابھی دیکھا ہے ان کو ووٹ دے کر امانت کا حق ادا کریں گے یا بدترین خیانت اور کتمان حق کا مظاہرہ کریں گے؟ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے اور فیصلہ کیجئے۔

● کہا جاتا ہے ووٹ دینا ایک لحاظ سے سفارش ہے۔اگر یہ سفارش ہے تو بدترین سفارش ہے غیر مستحق اور نا اہل لوگوں کے لئے سفارش کرنا پوری قوم کے حق میں غداری اور بدخواہی ہے۔

● ووٹ دینے کو کہا جاتا ہے کہ ایک اعتبار سے وکالت بھی ہے گویا ووٹ دینے والا امیدوار کو وکیل بناتا ہے امیدوار وکیل ہوا اور ووٹ دینے والا موکل، اس ضمن میں موجودہ حال میں واضح رہنا چاہیے کہ وکیل پانچ سال تک موج کرتا ہے بے شمار رعایتوں اور سہولتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے لیکن موکل صاحب کے ہاتھ اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ وہ وکیل صاحب کے پیچھے پیچھے دوڑیں، گڑگڑائیں، عاجزی منت کریں اور اپنا اعمال نامہ خراب کریں۔ اس لئے کہ وکیل صاحب ایم ایل اے اور ایم پی بن کر جتنے گھپلے اور اسکینڈل کریں گے ان سب کا وبال موکل صاحب یعنی ووٹ دینے والے صاحب پر بھی آئے گا۔ پانچ دس ہوسکتا ہے نیکیاں ہوں مگر آج کی صورت حال میں بلا تردد کہا جاسکتا ہے کہ سو بدیاں نامۂ اعمال میں فرشتہ لکھے گا یہ وہ نازک پہلو ہے جو اگر آدمی کے سامنے ہو تو ووٹ دینے سے پہلے ہزار دفعہ سوچے گا کہ میں ووٹ دوں یا نہ دوں لیکن اس زمانہ میں ووٹ دینا ایک کھیل اور تماشہ بن گیا ہے اور کچھ لوگوں کے لئے کاروبار بھی ہے الغرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے ووٹ دینا ایک مسلمان کے لئے خطرۂ ایمان نظر آئے گا۔

مولانا رحمانی صاحب نے بغیر کسی شرط اور قید کے ووٹ دینے کو شرعاً واجب قرار دیا ہے اس کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی نہ ایمان کی نہ عمل کی، نہ مرد کی اور نہ عورت کی۔ اس لئے کوئی پوچھ سکتا تھا کہ اسلام میں عورت کو حکومتی کوئی منصب دینا جائز نہیں ہے عورت کو ووٹ کیسے دیا جائے؟ ابھی چند سال پہلے کی بات ہے پاکستان میں جنرل ایوب کے مقابلہ میں فاطمہ جناح الیکشن میں کھڑی ہوئی تھیں اس وقت پورے برصغیر کے علمی حلقہ میں طوفان برپا ہوگیا کہ اسلام کا نام لیتے ہوئے فلاں جماعت نے فاطمہ جناح کی کیسے تائید کردی اخبار ورسائل میں علماء کرام کے مضامین، فتاوے کی بھرمار ہوگئی۔ فاطمہ جناح تو ماشاء اللہ مسلمان تھیں۔ اور یہاں تو عموماً غیر مسلم امیدوار ہوتی ہیں یہ کیا معاملہ ہے؟ اور علماء کا کیا مسئلہ ہے؟ اس خدشہ کے پیش نظر مولانا رحمانی صاحب نے عورت کے مسئلہ کو چھیڑا اور بہرصورت کسی نہ کسی طرح عورت کو بھی ووٹ دینے کا جواز نکال ہی دیا۔ اور لائن صاف کردی۔ بلا ادنی جھجک عورت کو ووٹ دیا جاسکتا ہے ثابت کردیا۔

جواز کا دوازہ کھولنے کے لئے ہمارے یہاں دو کنجیاں ہیں ایک مجبوری کی کنجی، جس کو کہیں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعہ بڑے سے بڑے ناجائز کو جائز اور بڑے سے بڑے حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ زندگی کا کوئی میدان ہو اور کوئی مسئلہ ہو مجبوری کی شکل پیدا ہو ہی جاتی ہے کوئی مشکل مرحلہ تو آ ہی جاتا ہے۔

دوسری کنجی اھون البلیتین کی ہے چھوٹی اور بڑی کی منطق سامنے لادی جاتی ہے۔ ظاہر ہے چھوٹی مصیبت

ہی کی بات پسند کی جائے گی۔

۶۰۔۶۵ سال سے چھوٹی برائی بڑی برائی کا اصول لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہماری ساری ملی حکمت عملی کی گاڑی اسی پٹری پر چل رہی ہے سوال یہ ہے کہ یہ صورتحال کب تک رہے گی۔ یہ مرحلہ کب آئے گا کہ ہم کہیں نہ چھوٹی برائی کو قبول کریں گے نہ بڑی برائی۔ ہم ڈٹ کر ہر برائی کا مقابلہ کریں گے۔ کیا اسوۂ رسول ﷺ اور اسوۂ انبیاء یہی ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوٹی برائی کو قبول کر لیا جائے؟! کسی رخصت کو اصل قرار دے لینا اور عزیمت کو بالکل چھوڑ دینا انبیاء کرام، صلحاء امت کے طرز عمل سے میل نہیں کھاتا۔ اور نہ قرآنی اسپرٹ کے موافق ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ ۶۰ سال کے تجربہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ازسرنو اپنی حکمت عملی بنائے ورنہ نہ ہندوستان میں اسلام کو وقار ملے گا اور نہ مسلمانوں کو عزت۔

ووٹ دینے کو شہادت، سفارش، اور وکالت قرار دینے کی بات حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب سے چلی ہے اس کا ماخذ ''معارف القرآن'' جلد ۳ ہے، آیات ۸ تا ۱۰، المائدہ کی تفسیر اس موضوع گفتار پر فرمائی ہے۔

ہندوستان میں فقہ اکیڈمی سے وابستہ لوگوں نے محمد مفتی شفیع صاحب کی بات کو جزوی طور پر لیا اور کہا کہ ووٹ دینا واجب ہے اسلئے کہ وہ شہادت اور گواہی ہے سفارش ہے وکالت ہے اور اس پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیا کہ اگر ووٹ دینا جھوٹی گواہی، غلط سفارش اور وکالت بن جائے تو اس کا وبال اور گناہ کتنا عظیم ہوگا۔ مفتی صاحبؒ نے اپنی وضاحت میں ووٹ دینے کے لئے دو شرطیں رکھیں ہیں کہ پہلی شرط یہ ہے کہ جس کو ووٹ دیا جائے وہ متدین ہو گویا غیر متدین امیدوار کو ووٹ دینا گناہ عظیم قرار پائے گا اور جائز نہ ہوگا چہ جائے کہ واجب ہو۔

ہندوستانی فقہ اکیڈمی بالخصوص مولانا خالد رحمانی صاحب سے ہم دریافت کریں گے کہ پارلیمنٹ کی سیٹ کے لئے ہزاروں امیدواروں میں سے کتنے ہیں جن کو متدین کہا جا سکتا ہے اور مفتی صاحب نے تدین کی شرط لگائی آپ نے کیوں نہیں لگائی؟ دوسری شرط دیانت داری ہے جبکہ دیانت داری کی دھجیاں بکھیرنا امیدواری کا پرچہ داخل کرنے کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے پھر اپنے کو اہل ثابت کرنے کے لئے مہم چلائی جاتی ہے تو کیا حال ہوتا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہزاروں امیدواروں میں کوئی ایک بھی دیانت کا ثبوت نہیں دیتا تو اس بات کو جھٹلانا مشکل ہوگا۔

مفتی صاحب کی ان دونوں شرطوں کو ہندوستانی فقیہوں نے نظر انداز کر دیا اس موقع پر ممکن ہے یہ کہا جائے پاکستان میں امیدوار کلمہ گو ہوتے ہیں اس لئے مفتی صاحب نے متدین ہونے کی شرط لگائی اور اگر امیدوار کلمہ گو نہ ہو تو اس کے لئے متدین ہونے کا سوال نہیں ہے ہم کہیں گے کہ اس بنا پر مفتی صاحب کی باتوں کو ہندوستان کے حالات پر منطبق کرنے کا کیا جواز ہے؟ کوئی جواز نہیں ہے۔ (۲۰۱۴ء)

جماعتِ اسلامی کی ویلفیئر پارٹی آف انڈیا



تحریک اسلامی جسے برصغیر ہندو پاک میں جماعت اسلامی کے نام سے لوگ جانتے ہیں۔اس کی تشکیل تقسیم ہند سے پہلے ۱۹۴۱ء میں ہوئی تھی۔اس جماعت کا شروع سے یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ ایک اصولی اور نظریاتی تحریک ہے شروع میں اس کا مقصد ''حکومت الٰہیہ کا قیام'' بیان کیا جاتا تھا۔

پھر کچھ دنوں بعد اس اصطلاح کو''اقامت دین'' کی اصطلاح سے بدل دیا گیا۔اس لئے کہ حکومت الٰہیہ کوئی اسلامی اصطلاح نہیں تھی اور غالباً جہاں تک مجھے معلوم ہے اور میں نے سنا ہے وہ یہ کہ یہ تبدیلی مولانا اختر احسن اصلاحی کی تجویز پر ہوئی تھی اور ان کا کہنا تھا کہ اقامت دین ایک اسلامی اور قرآنی اصطلاح ہے اور جامع اصطلاح ہے شروع شروع میں اس کی اصولی اور نظریاتی حیثیت بہت ہی واضح تھی۔

جماعت اسلامی کی تشکیل کے وقت اور خاص طور سے تقسیم ہند کے بعد جو حالات تھے اور جو تحریکیں چل رہی تھیں اس میں نظریاتی اعتبار سے دو قسم کی تحریکیں تھیں۔ایک کی بنیاد وطن پرستی پر تھی جس کی ترجمان کانگریس کو کہا جاسکتا تھا اور دوسری کی بنیاد قوم پرستی پر تھی۔جس کی ترجمانی مسلم لیگ یا ہندوتو تنظیمیں کر رہی تھیں۔ جماعت اسلامی ان دونوں کے بیچ بیچ کی سوچ پر قائم ہوئی اور اسی پر چلتی رہی تقسیم ہند کے بعد حالات جس تیزی سے بدلے اور فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمانوں کی مظلومیت کے جو واقعات سامنے آئے۔اس سے تحریک اسلامی کے بہت سے سوچنے والوں کی سوچ میں یہ تبدیلی آئی کہ ہم اصولی اور نظریاتی تحریک کے علمبردار ہونے کے باوجود مسلمانوں کی بدحالی کو برداشت نہیں کرسکتے اور برداشت کرنا صحیح بھی نہیں ہے۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی حمایت کی اور انھیں سنبھالنے کی کوشش کی اس طرح سے بہت سی تاریخی روایات اور قرآنی ہدایات کی روشنی میں یہ سوچ بڑھی اور اس پر جماعت کے اخبارات و آرگن جیسے ''دعوت'' اور ''زندگی نو'' وغیرہ میں مضامین اور خطوط وغیرہ شائع ہوئے کہ جماعت اسلامی کی طرف سے ایسا تاثر

پیدا ہو رہا ہے کہ وہ قوم پرستی کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ اسی قوم پرستی کی سوچ اور ذہنیت کے پس منظر میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری اور حفاظت کیسے ہوسکتی ہے؟ اسی راستے سے گزرتے ہوئے اور سوچتے ہوئے بعض گوشوں سے یہ سوال اٹھا کہ ہم کو الیکشنی سیاست سے دور نہیں رہنا چاہئے۔

پھر ۱۹۶۰ء کے بعد اکسٹھ باسٹھ سے اس طرح کی سوچ متعدد گوشوں سے سامنے آنے لگی یہاں تک کہ مجلس شوریٰ اور جماعت کے دوسرے تنظیمی فوروموں میں بھی اس موضوع پر اظہار خیال ہونے لگا اور یہ بات سامنے آنے لگی کہ الیکشن میں حصہ لینا چاہئے اور رفتہ رفتہ یہ سوچ بڑھنے اور پھیلنے لگی سال دو سال پہلے تک جو لوگ ''زندگی نو'' کے پرچے دیکھتے رہے ہیں۔ انھیں پتہ ہوگا کہ اس میں کھل کر الیکشن کی حمایت کے خطوط اور مضامین آتے رہے ہیں اور دوسری طرف الیکشن کے خلاف مہم بھی چلتی رہی۔

بہر صورت جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس بحث کا آغاز جس نظریہ کے تحت ہوا تھا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے حقوق کیسے حاصل اور محفوظ کئے جاسکتے ہیں اور مسلمانوں کا سلامتی کے ساتھ رہنا اور بسنا ہندوستان میں کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟؟ اس سوال کے پس منظر میں گویا یوں کہا جاسکتا ہے کہ جماعت اسلامی کی اصولی اور نظریاتی جو حیثیت تھی اس سے ہٹ کر یہ فکر پیدا ہوئی اور یہ فکر الیکشن کے سلسلہ میں اس طرح آگے بڑھی کہ پوری جماعت میں گویا دو گروپ ہوگئے۔ آپ کہیں گے جماعت میں دو گروپ کبھی نہیں رہے۔ لیکن مجلس شوریٰ کی روداد اور ''زندگی نو'' کے مضامین اس پر گواہ ہیں کہ فکری اور نظریاتی اعتبار سے دو گروپ ہوگئے۔

ایک الیکشن کا مخالف دوسرا الیکشن کا حمایتی۔ اس ضمن میں آپ کھلے طور سے شمالی ہند اور جنوبی ہند کا امتیاز دیکھ سکتے ہیں۔ شمالی ہند کے لوگ الیکشن کے خلاف تھے اور جنوبی ہند کے لوگ عام طور سے حمایتی۔ اس مسئلہ کی مخالفت میں مدھیہ پردیش بہت نمایاں تھا۔ مدھیہ پردیش کے پورے ارکان اس بارے میں بہت سخت تھے۔ اپنے خیالات کو وہ برملا پیش کرتے تھے۔ اسی پس منظر میں اسی دو فکر یا دو گروپ کے پروان چڑھنے کی وجہ سے بھوپال میں ساتویں دھائی میں ایک اجتماع ہوا تھا۔ اسی موضوع پر بہت سے لوگوں نے اپنے مقالے پیش کئے خاص طور پر مولانا صدرالدین اصلاحی صاحبؒ نے مخالفت میں سید یوسف صاحب نے الیکشن کی حمایت میں اپنے مقالے پیش کئے۔ بڑی بحثیں ہوئیں۔ لیکن الیکشن کے حامیوں کی بات نہ چل سکی۔ اور مخالفین کا پلڑا ہی بھاری رہا۔ اسی طرح سے جماعت اسلامی کے ارکان پر الیکشن میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کی جو پابندی تھی وہ باقی رہی۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد شمس پیرزادہ صاحب زیر حلقہ مہاراشٹرا اور حیدرآباد کے عبدالحفیظ خان صاحب نے جماعت سے استعفیٰ دے دیا، یہ لوگ الیکشن کے سخت حامی تھے۔ مگر الیکشن کے حامی گروپ نے

اپنی کوشش مسلسل جاری رکھی اوراپنے اپنے حلقے کے ارکان کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی ۔ اورالیکشن کے جومخالفین تھے وہ کم ہونے لگے یاان کوکم کیاجانے لگا۔ان پر دباؤ ڈالا جانے لگا اورمختلف بہانوں سے ان کا اخراج بھی کیاجانے لگا۔اوربعض لوگ خوداس سلسلہ میں احتجاجاً نکل گئے۔

غرض یہ کہ کشمکش جاری رہی اور یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ شوریٰ پرتقریباً مکمل طور پرالیکشن کے حامیوں کا غلبہ ہوگیا۔نتیجتاً ۱۹۸۵ء میں الیکشن کے لئے ووٹ دینے کی پابندی کوارکان پرسے ہٹادیا گیا۔یعنی پچیس سال تک جاری رہنے والے فکری تصادم ،فکری ٹکراؤ اورفکری بحث کے بعد الیکشن میں ووٹ دینے کی اجازت جماعت کی طرف سے ارکان کودی گئی ۔لیکن اس اقدام کی بھر پورمخالفت کی گئی۔اس سلسلہ کی ایک نمایاں مثال امیرحلقہ بہارڈاکٹرضیاءالہدیٰ صاحب ہیں جنہوں نے جماعت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ان کے استعفیٰ کی فوٹوکاپی ''نذرضیاءالہدیٰ'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ میرا وقت قریب ہےاورمیں اللہ کے پاس اس حال میں جانانہیں چاہتا کہ میں ایک ایسی پارٹی اور جماعت کارکن رہوں جو باطل سے سمجھوتہ کررہی ہےاور باطل کی حمایت کررہی ہے۔

یہ اختلاف بڑھتا رہالیکن اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ الیکشن اور ووٹ کی حمایت میں جماعت کے کسی بھی معتبرعالم دین نے دوحرف بھی نہیں لکھے۔الیکشن کی حمایت میں جتنے لوگوں نے بھی لکھاوہ عام طور پر ایسے لوگ ہی رہے جومستند عالم نہیں تھے ۔یعنی الیکشن کی حمایت میں سامنے آئے توایسے لوگ جن کو معروف معنی میں عالم دین نہیں کہاجاسکتا ہے مثلاً ممبئی کے ریاض خاں صاحب نے ایک مضمون لکھا اورسابق امیر جماعت ڈاکٹرعبدالحق انصاری صاحب نے ایک کتابچہ لکھا۔ جماعت اسلامی کے معروف عالم دین مولانا جلال الدین عمری صاحب امیر جماعت اسلامی ہنداگرچیکہ الیکشن کے حمایتی کےطور پرسامنے آئے ہیں لیکن ابھی تک انہوں نے بھی اس موضوع پرقلم نہیں اٹھایا۔''زندگی نو'' اور''سہ روزہ دعوت'' اس پر گواہ ہیں حتی کہ کوئی پمفلٹ بھی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع نہیں ہوا جوکسی معتبر عالم دین نے لکھا ہو۔جبکہ مولانا مودودیؒ کے علاوہ مولانا صدرالدین اصلاحیؒ،مولانا ابواللیث اصلاحیؒ،مولانا سید حامدعلی صاحبؒ،مولانا سیدعروج احمد قادریؒ کی تحریریں موجودتھیں۔الیکشنی سیاست سے اختلاف کرنے والوں کاموقف اصولی اعتبار سے اس لئے مضبوط تھا کہ جماعت اسلامی کے دستور میں توحید کے تقاضے کے سلسلہ میں ایک عبارت شامل ہے کہ ''اللہ کے سوا کسی کو مالک الملک اورمقتدراعلیٰ نہ سمجھے کسی کوباختیارخودحکم دینے اورمنع کرنے کامجازتسلیم نہ کرے کسی کومستقل بالذات شارع اورقانون سازنہ مانے۔''

اس طرح ان کا کہنا تھا کہ اس تشریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ووٹ دینا اور الیکشنی سیاست میں حصہ لینے کا مطلب ہے شرک۔ اس لئے کہ اسمبلی اور پارلیمنٹ قانون ساز ادارے ہیں قانون ساز ادارے میں خود شامل ہونا، اس کا ممبر بننا یا کسی کو ممبر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ گویا قانون سازی جو اللہ کا حق ہے وہ حق دوسرے انسانوں کو دیا جا رہا ہے۔ یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ اس کے علاوہ مخالفین الیکشن کے سامنے بانیٔ جماعت مولانا مودودیؒ کی بے شمار تحریریں موجود ہیں جو اس بات پر گواہ ہیں کہ انھوں نے باطل اور طاغوت سے اجتناب پر کافی زور دیا ہے اور الیکشنی نظام کی بھرپور مخالفت کی ہے اور جماعت کی بنیاد اسی اصول پر رکھی تھی۔

مولانا مودودیؒ نے رسائل ومسائل میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ

''دوم یہ کہ ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ ہونے والے اسی طرح کے انتخابات کی اہمیت جو کچھ ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارہ کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ موجودہ کافرانہ نظام سے ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے۔ جس کے لئے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں ہے بخلاف اس کے کہ ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے تحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔ یہ ایک اصولی معاملہ ہے جس کا تعلق عین ہمارے ایمان اور ہمارے اساسی عقیدے سے ہے اگر ہندوستان کے علماء اور عامۃ المسلمین اس حقیقت سے ذہول برت رہے ہیں اور وقتی مصلحتیں ان کیلئے مقتضیات ایمانی سے اہم تر بن گئی ہیں تو اس کی جواب دہی وہ خود اپنے خدا کے سامنے کریں گے۔ لیکن ہم کسی فائدے کے لالچ اور کسی نقصان کے اندیشے سے اس اصولی مسئلہ میں موجودہ نظام کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت نہیں کر سکتے آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ توحید کا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے آخر کس طرح انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں؟ کیا ہمارے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو ہم کتاب اللہ کی سند سے آزاد ہو کر قانون سازی کرنے کو شرک قرار دیں اور دوسری طرف خود اپنے ووٹوں سے ان لوگوں کو منتخب کرنے کی کوشش کریں جو خدا کے اختیارات غصب کرنے کے لئے اسمبلیوں میں جانا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اپنے عقیدے میں صادق ہیں تو ہمارے لئے اس معاملے میں صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کر دیں کہ حاکمیت صرف خدا کی ہے اور قانون سازی کتابِ الٰہی کی سند پر مبنی ہونی چاہیے۔ جب تک یہ اصول نہ مان لیا جائے ہم کسی انتخاب کسی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے۔'' (رسائل ومسائل جلد اول)

اس طرح کی تحریریں الیکشن کے مخالفین کے پاس موجود تھیں لیکن اس کے باوجود حامیان الیکشن کا حلقہ جماعت میں بڑھتا رہا اور سیاسی حربے استعمال کر کے ایسے لوگ تعداد میں بڑھائے گئے۔اور بالآخر شوریٰ کے فیصلہ کے بعد جماعت نے اپنے ارکان پر ووٹ دینے کی جو پابندی لگائی تھی وہ ختم کر دی اور گویا جماعتی سطح پر یہ تسلیم کرلیا گیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے ووٹ دینا اور الیکشنی سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے۔

جماعت کی شوریٰ کے فیصلے کے باوجود یہ بحث ختم نہیں ہوئی تھی اور الیکشن کے مخالفین کی رائیں پریس میں آتی رہیں۔اس دوران یہ اندازہ ہوتا رہا کہ الیکشن کے حامیوں کا ذہن بھی اس معاملہ میں صاف نہیں تھا۔اور ان کی سمجھ میں بھی یہ نہیں آرہا تھا کہ صرف ووٹ دینے سے مسلمانوں کے حقوق کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ گویا پچیس سال صرف اس بات کی پختگی میں لگے کہ ووٹ دینا چاہئے۔اور اس فیصلے کے بعد سے پچیس برس کا عرصہ گزرا ہے یعنی ۱۹۸۵ء سے ۲۰۱۱ء تک گویا یہ دوسری منزل آئی ہے اور اس میں فیصلہ ہوا ہے کہ الیکشن میں حصہ لینا چاہیے یعنی دوسرے مرحلے کے پچیس سالوں میں الیکشن کے حامیوں کو آگے کی راہ سجھانے کے لئے مختلف نعرے دیئے گئے کہ فسطائی طاقتوں کو ووٹ نہ دیا جائے یا یہ کہ اچھے (نیک) لوگوں کو ووٹ دیا جائے۔لیکن ان باتوں میں کوئی وزن محسوس نہیں کیا گیا کیونکہ ہر خاص وعام یہ سوال کرتا رہا کہ نیک لوگ کون ہیں؟ آپ اس کی نشاندہی کیجئے اس کا جواب جماعت کے پاس کچھ نہیں تھا کیونکہ الیکشنی نظام میں جو تبدیلیاں ہوتی رہیں اور ہورہی ہیں وہ ایسی ہیں کہ آگے کا راستہ کسی کو سجھائی نہیں دیتا۔کیونکہ موجودہ الیکشن میں کسی نیک آدمی اور ایماندار آدمی کا شریک ہونا اور کامیاب ہونا تقریباً محال ہے۔اس لئے کہ لاکھوں نہیں کروڑوں روپے خرچ کرنے کے باوجود دھاندلی اور غنڈہ گردی جب تک نہ کی جائے،اس وقت تک کسی کا جیتنا ناممکن ہے نہ صرف یہ بلکہ مختلف عصبیتوں کو ابھارنا پڑتا ہے مختلف غیر قانونی اور غیر اخلاقی افعال واعمال کر کے جیت کو ممکن بنانا پڑتا ہے اس طرح جماعت اسلامی کو اپنے ارکان کو ووٹ دینے کی اجازت کے بعد بھی اس کے سامنے کوئی راہ نہیں تھی اور نہ کوئی نتیجہ نکل رہا تھا۔اور ووٹ دینے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا وہ بے فیض معلوم ہونے لگا۔اور دوسری طرف لوگوں کے اعتراضات اور تنقیدوں کی بوچھاڑ کا سامنا تھا کہ آپ غیر اسلامی کام کر رہے ہیں،ایسا نہیں کرنا چاہئے وغیرہ۔

اس صورتحال کو ۲۵ رسال تک برداشت کرنے کے بعد جماعت نے ایک اور غلط فیصلہ کرنے کا ارادہ کرلیا اور یہ سمجھا کہ اب کسی کو اسلامی نقطۂ نظر سے تنقید کا موقع باقی نہیں رہے گا اور وہ فیصلہ ۱۸ راپریل ۲۰۱۱ء کو ویلفیئر پارٹی آف انڈیا کے قیام کے طور پر سامنے آیا۔جماعت کسی مرحلہ پر ایک غیر دینی اصول پر دین اسلام سے ہٹ کر خالص کافرانہ ومشرکانہ نظریات کی بنیاد پر ایک غیر اسلامی سیکولر پارٹی تشکیل دے گی ایسا ۵۰ رسال پہلے کوئی

سوچ بھی نہیں سکتا تھا نہ موافق نہ مخالف۔لیکن سارے اصولوں اور پالیسیوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے جماعت نے ایک پارٹی بنادی۔

پہلے سوال یا اعتراض یا تنقید اس بات پر ہوئی تھی کہ اسلامی نقطہء نظر سے صحیح ہے یا غلط ہے اس اعتراض کے جواب میں حامیان الیکشن صفائی دیتے تھے کہ اس کی بھی گنجائش ہے یہ بھی جائز ہے اور سیرت وتاریخ کے واقعات کو توڑ مروڑ کر اپنی بات کی صفائی میں پیش کرتے تھے کہ ایسا ہوسکتا ہے لیکن اب صورتحال مختلف ہے۔اس کے اندر اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی سوال نہیں ہے کیونکہ اب کھلم کھلا یہ کہا جارہا ہے اور صفائی دی جارہی ہے کہ اس پارٹی کے اصولوں میں مسلمانیت باقی نہیں ہے اس پارٹی کا ممبر ایک خدا کو ماننے والا بھی ہوسکتا ہے اور تین خداؤں کو ماننے والا بھی ہوسکتا ہے اور سینکڑوں بتوں کو پوجنے والا بھی ہوسکتا ہے، اس میں مسلمانیت اور اسلام کا کوئی دخل نہیں ہے کوئی شائبہ نہیں ہے۔ پہلے یہ ثابت کیا جاتا تھا کہ ہم جو کر رہے ہیں وہ اسلامی کام ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔اور اب جو صورتحال ہے وہ یہ کہ نہیں صاحب! اس میں اسلامیت اور مسلمانیت کا کوئی سوال نہیں ہے یہ بالکل غیر دینی اور سیکولر پارٹی ہے اس میں ہر قوم، ہر مذہب اور ہر نظریہ کے لوگ آسکتے ہیں۔

اب صورتحال یہ ہوگئی کہ ویلفیئر پارٹی آف انڈیا کا قیام گویا عملاً اس بات کا اظہار ہے کہ اس زمانے میں خاص طور سے سیاسی میدان میں دین اور اسلام کی بنیاد پر کوئی کام نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ ہمیشہ دو باتیں خاص طور سے کہتے رہے۔

ایک یہ کہ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے زندگی کے سارے ہی مسائل، سارے ہی گوشوں پر حاوی ہے۔

دوسری بات یہ کہتے رہے کہ تمام مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے۔

لیکن یہ ویلفیر پارٹی آف انڈیا کا قیام گویا اس بات کا اعلان ہے کہ ہم دونوں نظریوں سے پھر گئے ہیں۔ ہمارے عقیدے کے جو جزء تھے وہ ہمارے اپنے نہیں رہے جس طرح سے عام بے دین لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دین ومذہب کی بنیاد پر قوموں کے مسائل خاص طور سے سیاسی زندگی کے مسائل حل نہیں ہوسکتے اسی بات کی قائل آج جماعت اسلامی ہند بھی ہوگئی ہے۔

جماعت کے موجودہ فیصلہ کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''خیانت'' کی گئی ہے۔وہ اس طور پر کہ جس ادارے کی بنیاد خالص اسلامی نظریات اور حاکمیت الہ پر ہوئی تھی اور جس کا بنیادی نظریہ تھا کہ دنیا کے سارے مسائل کا حل اسلام میں ہے اس ادارے کے تحت اس ادارے میں بیٹھ کر اس ادارے کا نام لیتے ہوئے غیر دینی سیکولر بنیادوں

پر ایمان لانا اور سیکولر بنیادوں پر کسی تنظیم کو قائم کرنا ایک طرح کی خیانت ہی ہے۔

دوسری حیثیت سے دیکھیے تو ایک معنی میں یہ ارتداد ہے۔ جماعت جو کہتی رہی کہ اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر دین ہے یہ کوئی جزوی یا فروعی بات نہیں ہے یہ ہمارے عقیدے کا جزء ہے۔ سارے انسانوں کی نجات سارے مسائل کا حل ہمارے دین میں موجود ہے۔ یہ دو باتیں اگر کوئی نہیں مانتا تو مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ان دو باتوں کو چھوڑنے کا مطلب ہے کہ ہم ارتداد کی طرف جا رہے ہیں اور ارتداد کے کھڈ میں پڑ گئے ہیں۔ یہاں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ملت کو جس کھڈ میں گرنے سے بچانے کے لئے جماعت اسلامی کی تشکیل ہوئی تھی اسی کھڈ میں جماعت اسلامی ہند اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ اور بڑی مقدار میں وسائل و ذرائع سمیت جا گری ہے۔

علی وجہ البصیرت میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ یہ ایک طرح کا ارتداد ہے جس میں جماعت مبتلا ہو رہی ہے۔ یہ بات میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس پارٹی کی تائید میں اور اس کی تشکیل میں کوئی دینی قباحت نہیں ہے اور کوئی دینی حرج نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی گفتگو میں نے سنی ہے جس میں کتاب وسنت اور دینی مسلمات کی اساس پر کوئی بات نہیں کہی گئی۔ جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جا رہا ہے اس کی تائید میں صرف حالات کا تذکرہ ہے ایک طرف تقسیم ہند کے بعد کے فسادات اور دوسری طرف بم دھاکوں کے بعد کے پیدا شدہ حالات جس میں بلاقصور مسلمانوں کو گرفتار کیا جا رہا ہے اور ستایا جا رہا ہے اور مسلمانوں پر مصائب آنے لگے ہیں۔ ان حالات کو جواز بنا کر اپنے اقدام اور فیصلہ کو اور پارٹی کے قیام کو جائز بتایا جا رہا ہے، ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ رہے ہیں کیا حالات سے فتوی پوچھا جائے؟ کیا حالات کے مطابق اپنے دینی اصولوں سے دستبردار ہوا جاسکتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ حالات کا اثر پڑتا ہے فتوے میں بھی پڑتا ہے مسائل میں بھی پڑتا ہے لیکن عقیدے جیسی بنیادی چیزوں میں حالات کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ انبیاءؑ کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ انہیں آروں سے چیر دیا گیا۔ اللہ کے نیک بندوں کو غاروں میں پناہ لینی پڑی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کودنا پڑا یہ سب کیوں ہوا؟ اس لئے کہ جو بنیادی عقیدے ہیں اس میں حالات کا لحاظ نہیں کیا جاسکتا۔ حالات کا اس پر اثر نہیں پڑتا۔ فروعی معاملات میں، تدبیرات میں پڑ سکتا ہے لیکن جو بنیادی عقیدہ ہے اس میں حالات سے کوئی فتویٰ مانگنا اور شرعی دلیل کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہ کرنا یہ صحیح نہیں ہے۔

اب تک نئی پارٹی کی تائید میں جتنی بھی تحریریں آئی ہیں اس میں کہیں بھی نہ کسی آیت کا، نہ کسی حدیث کا، اور نہ کسی مسلمہ شرعی اصول کا کوئی حوالہ ہے۔ اس طرح ارتداد کی راہ پر پوری قوم اور پوری تحریک کو ڈال دیا گیا ہے۔

اس کے بعد دینی معاملات میں حساس لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے مجلس شوریٰ کی قرارداد کی بنیاد پر بعض سرکلرس جاری ہوئے ہیں اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جماعت نے ایک نئی سیاسی پارٹی کو بنایا ہے لیکن ساتھ میں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ہمارا کوئی بھی رکن اس کا ممبر بن سکتا ہے۔ یہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے تعلق سے کہے کہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، باپ بیٹے کا تعلق تو ایسا ہے کہ باپ لاکھ کہے کہ اس سے میرا تعلق نہیں ہے لیکن وہ تعلق ختم تو نہیں ہوسکتا۔ اس طرح جماعت اسلامی ہند کا اور نئی پارٹی کا تعلق ختم ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ جماعت کے ذمہ دار ہی نئی پارٹی کے ذمہ دار بھی ہیں۔

آپ اس معاملہ پر ایک دوسرے پہلو سے بھی نظر ڈالئے کہ صرف اتنا نہیں ہے کہ ایک گناہ کیا گیا اور ایک گمراہی کی راہ اختیار کی گئی بلکہ یہ گناہ بے لذت کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ آپ اس ملک میں دیکھ سکتے ہیں کہ کم وبیش پچھتّر کروڑ ووٹر ہیں۔ ان ووٹروں میں پچاس ساٹھ سال میں جماعت نے کتنے ممبروں کو اپنی تحریک سے متاثر کیا ہے گنتی کی جائے تو اس کی تعداد صرف ہزاروں میں ہوگی۔ ساٹھ سال میں جب صورتحال یہ ہے تو غور کیجئے کہ اس رفتار سے ایک بڑی اکثریت کو متاثر کرنے کا عمل کتنی مدت کا متقاضی ہوگا۔

موجودہ شکل میں جب کہ آپ سیکولر بنیادوں پر ایک پارٹی بنا چکے ہیں اور لوگوں کو پکار رہے ہیں تو اس کے معنی کیا ہیں؟ یہی نا کہ انسانیت کی نجات لادینی بنیاد پر ہے۔ انسانیت کی فلاح سیکولرزم میں ہے۔ اسلام کا نام لینا تک آپ کو گوارا نہیں ہے۔ اسلام اور مسلمانیت کی کوئی علامت تک اس میں نہیں پائی جاتی تو پھر آخر اسلام کا اور اس پارٹی کا کیا تعلق ہے؟ اور کیا نسبت ہے؟ ایک لادینی اور غیر اسلامی پارٹی کے لئے مہم چلانا اور اسلام کے نام پر جو وسائل آپ جمع کر رہے ہیں جو تعاون آپ کو حاصل ہو رہا ہے اسے ایک غیر اسلامی پارٹی کے لئے خرچ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ سراسر گمراہی کے ساتھ ناسمجھی ہے اور خسارہ ہے میری نظر میں اس طرح کی کوئی مثال نہیں ہے کہ کسی پارٹی نے اپنے سابقہ نظریات سے ہٹ کر کوئی نئی پارٹی بنائی ہو اور دونوں کے نظریات ایک دوسرے کی ضد ہوں اور دونوں پارٹیوں کو بیک وقت چلا رہی ہو۔

کمیونسٹوں نے بھی کبھی حالات کے دباؤ میں ایسا نہیں کیا کہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد پر کوئی پارٹی بنائی ہو۔ بعض دوسری پارٹیوں نے اپنی کوئی نئی پارٹی بنائی تو ہے لیکن انھوں نے اپنے نظریات کو نہیں چھوڑا اور نہ کسی دوسرے نظریات کی بنیاد پر کوئی پارٹی بنائی بلکہ اگر کوئی پارٹی بنائی بھی تو صرف اس لئے کہ ان کے سابقہ نظریات کو فروغ حاصل ہو اور ان کے نظریات کے مطابق کام میں تعاون حاصل ہو جیسے ہندتو نظریات کی حامل RSS

نے بی جے پی کے نام سے ایک پارٹی بنائی۔ ماضی میں اس کے دوسرے بھی نام رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے نظریات کو نہیں چھوڑا۔ مجھے معلوم نہیں کہ عرب ممالک میں جو اسلامی تحریکات تھیں انھوں نے حالات کے دباؤ کے تحت جو الگ پارٹیاں بنائی ہیں تو انھوں نے کیا کیا؟ لیکن میں بہر حال اس کی امید تو نہیں لگا سکتا کہ انہوں نے غیر اسلامی بنیادوں پر کوئی پارٹی یا کوئی فورم بنائے ہوں۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال ہوگی کہ ایک اسلامی نظریہ رکھنے والی جماعت غیر اسلامی نظریہ پر دوسری پارٹی بنائے اور یہ دعویٰ کرے کہ ہم اپنے اصل یعنی قرآن کے راستے پر ہیں اس کو چھوڑا نہیں ہے۔ یہ ایک عجیب معاملہ ہے۔

یہ نئی پارٹی کا بنانا ایک طرف تو بڑی خیانت اور ارتداد ہے تو دوسری طرف ایک بہت بڑا المیہ ہے وہ یہ کہ اس پارٹی کے قیام کے ذریعہ گویا جماعت اسلامی نے یہ اعلان کر دیا کہ اجتماعی اور سیاسی زندگی میں دین وایمان اور کتاب وسنت کی بات کرنا یا تو غلط ہے یا کم از کم موجودہ زمانے میں یہ چلنے والی بات نہیں ہے۔

اس بات کا بھی اعتراف واعلان ہے کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی دوسری جماعتوں نے جو حکمت عملی اپنائی تھی وہی صحیح اور درست تھی جماعت اسلامی نے ''ہر مسئلہ کا حل صرف اسلام میں ہے'' کا جو نعرہ لگایا تھا وہ غلط تھا یہ اس بات کا اظہار واعلان بھی ہے کہ ''جمعیت علماء'' اور مسلم لیگ نے ساٹھ سال پہلے جس مقام سے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ جماعت اسلامی ہند آج اسی مقام سے اپنا سفر شروع کرنے جارہی ہے۔ یہ المیہ اس لئے بھی ہے کہ برس ہابرس کے بعد ۱۹۴۱ء میں جس اسلامی تحریک کا آغاز ہوا تھا وہ گویا عملاً آج ختم ہوگئی ہے اور اس کے بعد ایک عرصہ تک کوئی فرد اور جماعت یہ ہمت نہیں کر سکے گا کہ اسلام کو ایک ہمہ گیر نظام کی حیثیت سے پیش کرنے کی جرأت کرے اس لئے کہ جماعت اسلامی کا حشر بطور مثال اس کے سامنے ہوگا کہ جماعت اسلامی کس طرح ناکام ہوئی اور کس طرح راہ سے ہٹ گئی۔

بہر صورت بہت سارے پہلو ہیں جس پر نئی پارٹی کے بارے میں ہم غور کر سکتے ہیں یقیناً یہ ایک ناکام تدبیر ہے اور ایک خسارہ کا راستہ ہے جس کو جماعت اسلامی نے اختیار کیا ہے اس میں اسلام اور مسلمانوں کا سراسر خسارہ اور نقصان ہے۔ اس میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ملک کے بیشتر حصوں میں دسیوں بیسیوں ارکان جماعت اور باشعور پڑھے لکھے لوگوں سے میں نے بات کی ہے اور ملاقات کی ہے۔

ممبئی میں، مدھیہ پردیش میں، دہلی میں، اعظم گڑھ جامعۃ الفلاح اور سرائے میر مدرسۃ الاصلاح میں بھی میں نے بات کی ہے یہاں جماعت کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ ہم سے اس کا تعلق نہیں ہے ان کا صرف اتنا کہہ دینا

کافی نہیں ہے۔ ایسے حضرات جو اس نئ پارٹی کے سلسلہ میں موافقت نہیں رکھتے اور اس کو غلط سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی ذمہ داریوں سے بچ نہیں سکتے۔

جماعت میں رہتے ہوئے، جماعت کی تائید کرتے ہوئے، جماعت کی رکنیت کو قبول کرتے ہوئے اور خاموشی اختیار کر کے وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ آج نہیں تو کل اس کی موافقت کریں گے۔ ہم نوائی کریں گے۔ جیسا کہ آج اس معاملہ کی موافقت میں ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جا رہا ہے جو آج سے بیس برس پہلے ووٹ کے مخالف کیمپ میں پائے جاتے تھے آج وہ نئ پارٹی کے حق میں رائے عامہ ہموار کرتے نظر آ رہے ہیں اور ہمنوائی کرتے جا رہے ہیں لہٰذا آج جماعت کی نئ پارٹی سے اپنے کو الگ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اپنی اس انفرادی برأت کے ذریعہ اللہ کے یہاں بچ نہیں سکتے ان کی بھی خدا کے یہاں سخت گرفت ہو گی۔

اللہ ہمیں ارتداد اور افراط و تفریط سے بچائے اور اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کرنے والا بنائے۔ آمین۔

(۲۰۱۱ء)



کرے غیر گر، بت کی پوجا تو کافر



قاسم رسول الیاس صاحب نے ماہ نامہ ''زندگی نو'' مارچ ۲۰۰۸ء میں الیکشن کے موضوع پر جو خامہ فرسائی فرمائی ہے وہ اس مفروضہ پر ہے کہ گویا عامۃ المسلمین الیکشن میں حصہ نہیں لے رہے ہیں جس کی بنا پر وہ مختلف قسم کے نقصانات اٹھا رہے ہیں اور دن بدن پسماندگی کے گڑھے میں گرتے جا رہے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پوری مسلمان قوم الیکشن میں پورے جوش وخروش کے ساتھ ووٹ دیتی ہے بلکہ بسا اوقات ووٹنگ میں مسلمانوں کا فیصد دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ووٹ دیتے ہیں بلکہ جہاں کامیابی کا امکان نظر آتا ہے وہاں امیدواروں کی حیثیت سے کھڑے بھی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بحث ومباحثہ کس کو مطمئن کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے؟ اور اس کا کیا مقصد ہے؟

پورے ملک میں جماعتِ اسلامی کے دس بیس ہزار لوگ الیکشن سے ماضی میں کنارہ کش رہے ہیں اگر وہ دس بیس ہزار لوگ ووٹ ڈالنے لگیں تو کیا انقلاب پیدا ہو جائے گا؟ اس اعتبار سے یہ بحث ایک لایعنی بحث ہے اس کے لایعنی ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ الیکشن میں حصہ لینے نہ لینے کا موضوع تقریباً چالیس سال جماعت کے اندر زیر بحث رہا ہے اور بیس سال پہلے ووٹ دینے کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے۔ اب باقی کیا رہا جس پر بحث کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بحث کا نکتہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ الیکشن میں حصہ لینے کا جو فیصلہ جماعت نے کیا ہے کیا وہ شرعی حیثیت سے درست ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں یہ عرض ہے کہ مولانا مودودیؒ، مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ، مولانا سید حامد علیؒ، مولانا صدرالدین اصلاحیؒ اور سید عروج احمد قادریؒ وغیرہ نے جو لکھ دیا ہے وہ کافی ہے۔ اس کا ردالیکشن کے حامیوں میں سے کوئی ندوی، اصلاحی، قادری اور عمری نے ابھی تک نہیں کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا رد نہیں کیا جا سکتا۔

چونکہ الیکشن کے خلاف جماعتی علماء کی تحریروں کا کتاب وسنت کی روشنی میں کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا اس

لئے قاسم رسول الیاس صاحب نے شریعت کی روشنی میں کوئی بات نہیں کہی۔ چنانچہ پوری تحریر میں کوئی آیت قرآنی انہوں نے پیش کی اور نہ کوئی حدیث۔ گویا بحث کے اصل موضوع سے انہوں نے اپنا دامن بچالیا اور جو کچھ حوالہ دیا ہے وہ روداد شوریٰ کا ہے۔ ظاہر ہے شوریٰ کا فیصلہ کوئی شرعی دلیل نہیں بن سکتا۔ شوریٰ اپنے فیصلے کثرتِ رائے کی بنیاد پر کرتی ہے اور کثرتِ رائے کو کبھی بھی کوئی شرعی بنیاد نہیں مانا گیا ہے۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ○ (الانعام:۱۱۶)

ترجمہ: اور اے محمدؐ! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے وہ تو محض گمان پر چلتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

ایک وقت تھا کہ الیاس صاحب بھی الیکشن کے خلاف تھے لیکن بعد میں الیکشنی گروپ کے وکیل بن گئے۔ کم از کم موصوف اپنے اندر انقلابِ حال کی روداد اور اپنے فکری سفر کی داستان ہی بیان فرمادیتے تو بھی مسئلہ پر کچھ روشنی پڑتی۔

جماعت اسلامی کے نصب العین اقامتِ دین میں فرد کی تربیت، معاشرے کی تعمیر کے ساتھ ریاست کی تشکیل بھی شامل ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''جہاں تک ریاست کی تشکیل کا تعلق ہے موجودہ مرحلے سے ہم واقف ہیں۔ یعنی یہ کہ ہم کہاں کھڑے ہیں آخری منزل کا بھی ہمیں شعور وادراک ہے یعنی یہ کہ ہمیں جانا کہاں ہے تاہم درمیانی اہداف واضح نہیں ہیں۔ ریاست کی تشکیل کا معاملہ کن کن مراحل سے ہوکر گزرے گا۔ ایک مرحلے کے بعد دوسرا مرحلہ کیسے آئے گا؟ اور کب آئے گا؟ اسے workout کرنے کی ضرورت ہے۔''

جناب کو اول و آخر معلوم ہے لیکن درمیانی اہداف موصوف پر واضح نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے اگر بالکل واضح نہیں ہیں تو کم سے کم اتنا واضح تو رہنا چاہیے تھا کہ جو کچھ کریں گے کتاب وسنت کے دائرے میں رہ کر کریں گے اور کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس سے اول و آخر کی معلومات بھی مشتبہ ہوجائیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کفر وشرک اور کفر وشرک کے بطن سے پیدا شدہ نظریات کی تائید ہماری جانب سے نہ ہوگی۔ غیر اسلام کی دعوت کے لئے مہم نہیں چلائیں گے۔ کسی کافر، ملحد اور لادینیت پر ایمان رکھنے والے شخص کو قانون سازی کا اختیار نہ دیں گے۔ کمیونزم جس کی تردید میں تحریکی لٹریچر بھرا پڑا ہے اس کا جھنڈا گاڑنے میں معاون ومددگار نہیں بنیں گے۔ اللہ اور رسول پر ایمان نے اتنی فراست اور اسلامی تعلیمات اور نظریات کے لئے اتنی حمیت اور غیرت پیدا کردی

ہوتی کہ کسی مصلحت اور مفاد دنیا کے لئے کوئی باطل نعرہ زبان پر نہ آتا جیسے کسی موقع پر دعوۂ ایمان کرنے والوں سے قرآن نے کہا تھا:

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (البقرۃ:۹۳)

ترجمہ: کہو اگر تم مومن ہو تو عجیب ایمان ہے جو ایسی بُری حرکات کا تمہیں حکم دیتا ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اقامتِ دین کا نہ اول معلوم نہ آخر، یا گر معلوم ہے تو اسے پس پشت ڈال دیا گیا اور محض سیاسی نعرہ کے طور پر اقامتِ دین کے الفاظ بولے جارہے ہیں۔ ورنہ اقامتِ سیکولرزم اور اقامتِ کمیونزم کرتے ہوئے اور سیکولرزم اور کمیونزم کا جھنڈا ہاتھ میں اٹھائے ہوئے نعرہ اقامتِ دین آپ لگارہے ہیں آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ یہی کام کانگریسی مسلمان کررہے تھے تو چالیس سال پہلے اس کو ایمان کے منافی کہا جارہا تھا اور جب خود وہی کام کرنے لگے تو وہ اقامت دین کا ایک مرحلہ بن گیا!

(۲۰۰۸ء)



اتحادِ اُمّت کی راہ میں رکاوٹیں



اتحادِ امت یااتحاد بین المسلمین ایک ایسی مطلوب ومحمود چیز ہے جس کی محمودیت ،اہمیت اورعنداللہ اورعندالرسول اس کی مقبولیت کوثابت کرنے کے لئے آیات اوراحادیث سے دلائل پیش کرنے کی ایک مسلمان کے نزدیک بالکل ضرورت نہیں ہے، ہر مسلمان خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اس کی ضرورت اوراہمیت کوتسلیم کرتا ہے۔ بحث طلب اورغوروفکر کا متقاضی مسئلہ صرف یہ ہے کہ اتحاد کیسے ہوتا ہے اس کے وسائل کیا ہوسکتے ہیں اوروہ کیسے مہیا کئے جاسکتے ہیں رکاوٹ وموانع کیا ہیں اوروہ کیسے راہ سے ہٹائے جاسکتے ہیں؟؟

اس سلسلہ میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فی الحال اتحاد کی قوت کی کیا ضرورت ہے؟ کون سی مصیبت ہے جس کو دفع کرنے کے لئے مسلمانوں کومتحدومجتمع ہوناضروری ہے؟ اوروہ کون سے نقصانات اوراذیتیں ہیں کہ اگر مسلمان بکھرے رہے اورانتشار کی کیفیت ان پر طاری رہی تو نا قابل تلافی نقصان سے ان کا دوچار ہوجانا بالکل یقینی ہے؟ دوسرے لفظوں میں کس قوت سے مقابلہ کرنا ہے جس سے تنہا تنہا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا؟ جب تک مقابل کی قوت کا تعین نہ ہواور جب تک خطرہ اورنقصان کی تصویر سامنے نہ پیش کردی جائے اس وقت تک چاہے نظری اورعقلی طور پر اتحاد کی اہمیت تسلیم کرلی جائے لیکن اتحاد کوہم مسلمانوں کی صفوں میں عملاً نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ نامعلوم اورموہوم خطروں کے حوالہ سے اتحاد کی ضرورت کوخواہ کتنے ہی زوردار طریقہ سے بیان کیا جائے اورخواہ اس کی کتنی ہی تکرار کی جائے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ لکھنے اور بولنے میں کوئی کمی نہیں اکثر وبیشتر خطابات بالخصوص بڑی شخصیتوں کے اورخاص خاص موقعوں پر یہ موضوع ضرور چھیڑا جاتا ہے اور جمعہ کے خطبوں میں بار بار اس کا ذکر آتا ہے لیکن حاصل کچھ نہیں ہورہا ہے اس لئے کہ جواصل چیز اتحاد پیدا کرنے والی ہے اس کوکوئی بھی سامنے نہیں لارہا ہے، مثلاً ہندوستان میں اصل خطرہ کیا ہے جواتحاد کا متقاضی ہے اورجس کو اتحاد کے بغیر ٹالا نہیں جاسکتا؟ مسلمانوں کی کوئی تنظیم کوئی جمعیت اورکوئی شخصیت اس سوال کا جواب نہیں دیتی اگر

اس سوال کا جواب متعین طور سے سامنے آجائے تو اتحاد و اتفاق کے لئے نہ زیادہ بولنے کی ضرورت ہوگی نہ زیادہ لکھنے کی۔ سامنے کی مثال ہے کہ عالمی طور پر ایک خطرہ داعش کا کھل کر سامنے آ گیا تو کس طرح غیر مسلم اقوام بھی اور مسلمان ممالک بھی متحد و متفق ہو گئے۔ سب کو تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح سے اور کیونکر دنیا ایک پلیٹ فارم پر نظر آ رہی ہے اس کا راز یہی ہے کہ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ یہ خطرہ ایسا ہے جس کو بغیر اتحاد اور اتفاق کے ٹالا نہیں جا سکتا ہے۔ اسی طرح چاہے عالمی سطح پر اتحاد ہم چاہتے ہیں یا ملکی پیمانے پر ہر دونوں صورتوں میں اس قوت یا اس خطرے کی نشاندہی کرنی چاہیے جس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم اتحاد بین المسلمین چاہتے ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اتحادِ امت ایک چیز ہے اور قومی یکجہتی اور پر امن بقائے باہم کی فضا پیدا کرنا ایک دوسری چیز ہے۔ اس ضمن میں ہمارا ذہن صاف ہونا چاہیے دونوں کا خلطِ مبحث نہیں ہونا چاہیے اور دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں اتحادِ امت کی جن بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہے وہ الگ ہیں اور قومی یکجہتی کی تعمیر جن بنیادوں پر ہو سکتی ہے وہ الگ ہیں اتحاد امت کی تعمیر توحید، رسالت اور عقیدۂ آخرت پر ہوتی ہے اور قومی یکجہتی اور پر امن بقائے باہم کی تعمیر کا بہرصورت توحید اور آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔

اتحادِ امت کی راہ میں تیسری چیز جو رکاوٹ ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ چیز بیٹھ گئی ہے کہ صرف مسلمانوں کے اتحاد سے یعنی صرف مسلمانوں کے چاہنے سے ہندوستان میں کچھ ہونے والا نہیں ہے جب تک کہ اکثریت کے لوگوں کو ساتھ نہ لیا جائے۔ یہاں سے کچھ ایسی چیزوں کا دخل شروع ہو جاتا ہے جو اسلامی لحاظ سے نامناسب یا غلط ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جہاں کسی معاملے میں اکثریت کے لوگوں کی شرکت ضروری قرار پائے گی وہاں اکثریت کے نظریات، خیالات، طور طریقہ اور رسم ورواج کا لحاظ کرنا ضروری ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ایسا نہ کیا جائے تو اکثریت کے لوگ ساتھ رہ نہیں سکتے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ جب مسلم پرسنل لا کی نسبت سے دین بچاؤ مہم کا آغاز کرنا ہوا تو اسی کے ساتھ دستور بچاؤ کی بات شامل کر دی گئی جس کی پشت پر یہ خیال ہے کہ جب تک اکثریت کو شامل نہ کیا جائے گا اس وقت تک خالص مسلمانوں کے مہم چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ لیکن دستور بچاؤ کی بات کو جہاں اس مہم میں شامل کیا گیا وہیں اس مہم کی آدھی جان نکل گئی اور چاہے اس کے لئے منطقی اور سیاسی کتنی ہی دلیلیں دی جائیں مسلمان عام طور سے اس مہم کو عملاً دینی مہم نہیں سمجھ سکتے اور جہاں تک اکثریت کا معاملہ ہے چند لیڈروں کے سوا ان میں سے اس مہم سے قریب بہت کم ہی لوگ آئیں گے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ الیکشنی سیاست امت میں اتحاد کبھی پیدا ہونے ہی نہیں دے گی عام طور سے سمجھا جاتا ہے

کہ امت میں تفرقہ اور اختلاف کا باعث مسلکی اور فقہی اختلافات ہیں اس سے بالکل انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس سے بڑھ کر انتشار اور اختلاف کا سبب الیکشنی سیاست ہے اور مسلمان جب تک اس میں شامل رہیں گے ان کے اندر اتحاد نہیں پیدا ہو سکتا۔ سرسٹھ سال گزر چکے بحیثیت امت الیکشنی سیاست کے ذریعہ مسلمانوں کو کچھ نہیں ملا سوائے انتشار اور اختلاف کے۔

یہ الگ بات ہے کہ کچھ فائدہ ہوا ہو یا کچھ افراد کو فائدہ ہوا ہو لیکن سڑسٹھ سال کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امت کا کوئی بڑا مسئلہ اس سیاست کے ذریعہ حل نہیں ہوا۔ ویسے نقصاندہ چیزوں میں بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ اس موقع پر کوئی بھی شخص یہ سنتے ہی سوال کرتا ہے کہ تو مسلمان کیا کریں؟ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ کسی چیز کو اپنانے یا ترک کرنے کے لئے کتنا تجربہ چاہیے سرسٹھ سال ایک پوری نسل کے ختم ہونے کی مدت ہے اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ الیکشنی سیاست کے ذریعہ نمائندگی کا جو مسئلہ ہے وہ دن بہ دن کم ہوتا جا رہا ہے۔ یعنی پارلیمنٹ میں مسلم نمائندے کم ہوتے جا رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی ممبر پارلیمنٹ مسلمانوں کے نمائندگی کرتا ہو۔ ہر ممبر اپنی پارٹی کا نمائندہ ہوتا ہے اور پارٹی کی پالیسی کے مطابق ہی وہ پارلیمنٹ میں بولتا ہے۔

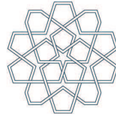
پھر یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ مسلمان ممبران پارلیمنٹ کبھی اس حیثیت میں نہیں رہے ہیں اور نہ رہیں گے کہ وہ کوئی چیز اپنے بل بوتے پر پاس کرا سکیں۔ محض زیادہ سے زیادہ کوئی مسلم ممبر کسی مسئلہ پر آواز اٹھا سکتا ہے رہا اس کو منوانے اور اس کے اثر انداز ہونے کا تو سوال ہی نہیں۔ رہی یہ بات کہ مسلمان کیا کریں تو تقریباً پون صدی ہو رہی ہے، الیکشن سے اور الیکشنی سیاست سے ہٹ کر ایک لمحہ کے لئے بھی سوچا نہیں گیا کہ اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی مسلمان کے پارلیمنٹ میں جانے کا فائدہ کسی مسئلہ میں صرف آواز اٹھانا ہے۔ ہم کہتے ہیں مسلمانوں میں اگر اتحاد و اتفاق ہو اور یہ معلوم ہو کہ فلاں مسلمان لیڈر کی ایک آواز پر دس ہزار لوگ بیک وقت متحرک ہو سکتے ہیں، اور اس کے ایک اشارے پر کچھ بھی کر سکتے ہیں تو ایسے مسلمان لیڈر کی آواز کسی بھی MLA اور MP سے بڑھ کر سنی جائے گی اور اس کی آواز کو بڑی سے بڑی قوت بھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔ لیکن الیکشنی سیاست کا یہ نقصان ہے کہ مسلمانوں میں ایسی شخصیت نہیں پیدا ہو پا رہی ہے جو مسلمانوں کی آواز بن سکے مختصر یہ کہ مسلمان جب تک الیکشنی سیاست سے وابستہ رہیں گے اتحاد و اتفاق کی نعمت سے محروم رہیں گے۔

(۲۰۱۴ء)



غلبۂ دین

منہج نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



ہر ذی حیات کی فطرت ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے جانداروں سے کشمکش کرتا ہے۔کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کو اپنے تئیں کسی کا خوف نہ ہو۔ یہ کشمکش مختلف وجوہ سے ہوتی ہے جنگل کے حیوانات ہوں یا سمندر میں جینے والی مچھلیاں اور دیگر آبی جانور ہوں سب کے سب اپنی زندگی کے لئے مجبور ہیں کہ وہ کشمکش کریں۔

اسی طرح اقوام عالم پر نظر ڈالی جائے تو بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہر قوم دوسروں سے کشمکش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔صرف اپنی زندگی کو باقی رکھنے ہی کے لئے نہیں بلکہ دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے۔لیکن مسلمان مسلسل غلامی میں رہنے کی وجہ سے ایسے پست ہوگئے ہیں کہ غلبہ کے لئے سوچنے اور کوشش کرنے کے لئے دلیل مانگتے ہیں جس کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

جہاں کسی نے غلبۂ دین کی بات کہی فوراً لوگ بالخصوص مذہبی خیال کے مسلمان اس کو سیاست اور بے دینی کی بات کہہ کر کان بند کر لیتے ہیں اور اس کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے حالانکہ حدیث میں آیا ہے "الاسلام یعلو ولا یعلٰی"۔

مزید اللہ نے فرمایا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (ال عمران:۱۳۹)

ترجمہ: دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○ (التوبۃ:۳۳)

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی نا گوار ہو۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ غلبۂ دین کوشش کر کے حاصل کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا انعام ہوتا ہے۔ بہر صورت مسلمان ملت اپنے ذہنی انحطاط اور زوال کے آخری حد کو پہنچ چکی ہے۔ اس لئے ہم اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں جو غلبۂ دین کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں اور غلبۂ دین کے ضمن میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج سمجھنا چاہتے ہیں۔

کسی چیز کو سمجھنے کے لئے اس کے حدود اربع کو معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اس دور جدید میں حدود اربع کے بجائے حدودِ ستہ یا یہ کہا جائے کہ جہات ستہ معلوم کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ مثلاً کسی فلیٹ کے بیع وشرا کا معاملہ ہو تو جہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے حدود اربع کی تعیین کی جائے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے نیچے اور اوپر کی تعیین بھی کی جائے۔ اسی لئے ہم چاہتے ہیں کہ غلبۂ دین کے لئے کوشش میں نبی آخر الزماںؐ کے منہج کے جہات ستہ کی تعیین کریں۔

جہتِ اول: استقامت

کتاب وسنت اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا کہ "یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" کی آیات کے نزول سے دعوت کا کام شروع ہوا تو وہ چاہے سراً ہو یا علانیۃً برابر جاری رہا۔ فترتِ وحی کا ثبوت تو ملتا ہے لیکن تسلسل دعوت کے ٹوٹنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور دعوت کا یہ کام پوری استقامت کے ساتھ جاری رہا۔

اس لئے کہ رب نے فرما دیا:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ○

(ھود:۱۱۲)

ترجمہ: پس اے محمدؐ، تم، اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر وبغاوت سے ایمان وطاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (الشوریٰ:۱۵)

ترجمہ: پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں۔

ان دونوں آیتوں میں صراحت کے ساتھ حکم دیا گیا کہ۔ ''جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر ثابت قدم رہئے''۔ اور سرِ مو برابر بھی حکم کے خلاف نہ جایئے۔ پہلی آیت میں لَا تَطْغَوْا کی گویا دوسری آیت میں وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ سے تفسیر کر دی گئی اور ساتھ میں یہ بھی بتادیا گیا کہ اللہ دیکھ رہا ہے تمہاری سرگرمیوں کو یعنی حکم کے خلاف کوئی بھی عمل ہوگا تو اللہ کی گرفت میں آجاؤ گے۔

بظاہر اصل مخاطب نبی ﷺ کو کیا گیا ہے، لیکن دونوں آیتوں میں پہلے صیغہ واحد استعمال کیا گیا اور آخر میں جمع مخاطب کا صیغہ استعمال ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے ذریعہ اصل میں مسلمانوں کو ہدایت دی جارہی ہے اور پہلی آیت کے معاً بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود: ۱۱۳)

ترجمہ: اِن ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے۔

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ''اِسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ'' یعنی جیسا کہ آپ کو حکم دیا جمے رہیے ''استقامت'' کو بقول حضرت حسن دو ''لا'' سے گھیر دیا گیا ہے۔ ایک ''لَا تَطْغَوْا'' حد سے تجاوز نہ کرو اور دوسرے ''لَا تَرْكَنُوْٓا'' نہ جھکنا۔ اس طرح استقامت کی راہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ غالباً اسی بنا پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''شیبتنی ھود'' سورہ ہود نے مجھے بوڑھا بنادیا۔

زیر بحث آیت میں ظالموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ میں اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں مدہوش ہو رہے تھے۔ رات ودن جن سے مسلمانوں کی کشمکش برپا تھی وہ ہر قیمت پر اسلام کو نیچا دکھانے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کی کشمکش اور مزاحمت کی غرض یہ تھی کہ اللہ کے رسول اپنے رویہ میں تھوڑی لچک پیدا کریں۔ اپنے موقف سے زیادہ نہیں تھوڑا تو ہٹیں ان سے محبت ومودت، ہمنوائی، ہم مشربی اور قدم سے قدم ملا کر چلنے کا سوال ہی کیا؟

حکم دیا گیا کہ ان ظالموں کی طرف ذرا جھکنا نہیں ورنہ انجام بہت برا ہوگا۔ اب موقع پر اسلوب کلام اور طرز تخاطب ایسا اختیار کیا گیا ہے جس کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جیسے ایک پٹرول سے بھری ٹنکی ہے اور دوسری طرف ایک چنگاری ہے۔ ان دونوں میں نسبت یہ ہے کہ چنگاری قریب گئی کہ پٹرول بھڑک اٹھے گا۔ ذرا دیر نہ لگے گی ٹھیک اسی طرح ان ظالموں کی طرف جھکاؤ ہوتے ہی دوزخ کی آگ لپیٹ میں لے لے گی۔
(لا اکراہ فی الدین: ص: ۱۹)

اس استقامت کا منظر سیرت میں دیکھا جا سکتا ہے جبکہ ترغیب وترہیب کے تمام حربے بے سود ثابت ہو چکے اور جادۂ حق سے ہٹانے کے لئے مشرکین مکہ نے سخت سے سخت مصیبتوں میں آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو ڈال کر دیکھ لیا کہ آپ ﷺ اپنی دعوت میں کوئی ادنی ترمیم کرنے پر راضی نہیں ہیں تو آپ ﷺ کے پاس جا کر درخواست کی کہ '' آپ کیا چاہتے ہیں کیا مال و دولت؟ اگر اس چیز کی خواہش ہے تو اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار پیش کرنے کو ہم تیار ہیں کسی معزز گھرانے میں شادی؟ اگر اس کا ارمان ہے تو ہم میں سے ہر ایک اس بات کے لیے بھی تیار ہے کہ آپ کی یہ خواہش بھی پوری کی جائیگی۔

کیا قوم کی افسری وسرداری؟ اگر آپ اس کا شوق رکھتے ہیں تو ہم یہ جگہ بھی آپ کے لئے خالی کئے دیتے ہیں۔لیکن خدارا آپ اپنی اس دعوت کو بند کیجئے اور باپ دادا کے دین کو بدلنے کی کوشش نہ کیجئے۔ جب مشرکین کی اس طرح کی پیش کش اور ترغیب کو بھی آپ نے بالکل لائق التفات نہیں سمجھا تو حضرت ابوطالب کے ذریعہ سفارش کرائی چنانچہ حضرت ابوطالب نے جب دعوت سے باز رہنے کو کہا تو آپؐ نے فرمایا:

'' چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں اور کہیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے یا تو یہ کام پورا ہوگا یا میری جان بھی اسی راہ میں کام آئے گی۔''

اگر ہم ان تمام حالات کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہر موقع پر باطل پینترے بدلتا رہا۔کبھی استہزاء، کبھی تشدد، کبھی معاشی لالچ اور کبھی مصالحت کی کوشش مگر اس کے جواب میں آپ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ استقامت کے ساتھ اپنے کام پر ڈٹے رہے اور اپنے موقف پر قائم رہے۔

اس لئے کہ اگر چہ کہ دنیا میں کامیابی کے لئے ہر موقع پر حالات اور کوائف زمانہ کی دین اور عقل ہر لحاظ سے رعایت کرنا ایک ضروری چیز ہے لیکن دین میں اصل کامیابی آخرت کی ہے اس لئے دنیا کی کامیابیوں کو اکثر وبیشتر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس بات کو اہمیت نہیں دیتے یا اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے وہ بسا اوقات دنیا کی کامیابی کے لئے راہِ استقامت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ایک عقل کہہ سکتی ہے کہ مشرکین کی جانب سے پیشکشوں کو بالکل ٹھکرا دینا کوئی دانش مندی نہیں تھی۔ان کی بنیاد پر بڑے بڑے کام کئے جاسکتے تھے اور اس موقع کو گنوانا حکمت کے خلاف تھا مگر اللہ تعالیٰ کو وہ کام پسند ہے جو شرک کی ہر آمیزش سے پاک ہو اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہو مثلاً کہا جا سکتا ہے بہت ساری نمازیں پڑھنے کے مقابلہ میں وہ دو رکعت مقصود ہے جو سنت کے مطابق ہے۔

جہتِ ثانیہ: دعوت الی اللہ

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ○ (النحل:۱۲۵)

ترجمہ: اے نبی، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔

اس آیت میں دعوت الی اللہ کا تین طریقہ بیان کیا گیا ہے، حکمت یعنی قرآن کے ذریعہ موعظہ حسنہ یعنی دل کو چھو لینے والی نصیحت کے ذریعہ اور جدال یعنی ایسی باتوں کے ذریعہ جن سے مخاطب کو لا جواب کر دیا جائے۔ بعض تفسیروں میں اس آیت کو حکم جہاد آنے سے پہلے کی بتایا گیا ہے۔ یہ وضاحت دو وجہ سے کی گئی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ دعوت کو قبول نہیں کریں گے ان کو آخرت کی وعید سنائی گئی ہے۔ دنیوی انجام کا ذکر نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مذکورہ تینوں طریقوں کے علاوہ دعوت کا ایک چوتھا طریقہ بھی ہے اور وہ ہے جہاد و قتال۔ جس کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے آپ کو ذرا گہرائی میں جانا پڑے گا۔ آیت میں "سَبِيْلِ رَبِّ" کا لفظ آیا ہے جس سے مراد دین اسلام ہے۔

دینِ اسلام کیا ہے؟ اس سوال کا جواب کئی پہلوؤں سے دیا گیا ہے اور دیا جا سکتا ہے۔ ایک پہلو سے یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ اسلام نام ہے اللہ کی عبادت کرنے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے کا لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیوں کہ اگر اس جواب کو صحیح مان لیا جائے تو شرک کی گنجائش باقی رہتی ہے اس لئے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اور ساتھ ہی کسی دوسرے کی بھی عبادت کرتا ہے تو اس کو غلط نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ اللہ کی عبادت تو کر رہا ہے اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی کوئی آدمی اطاعت کرتا ہے اور ساتھ ہی گاندھی، نہرو، اوباما اور نواز شریف جیسے لوگوں کی بھی اطاعت کرتا ہے تو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑی نہیں ہے اور نہ اس کا انکار کیا ہے۔

اسلام کیا ہے؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اسلام نام ہے اللہ کی عبادت کرنے اور غیر اللہ کی عبادت سے انکار کرنے کا اسی طرح اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے اور ان دونوں ہستیوں کے علاوہ ساری ذاتوں اور ہستیوں کی اطاعت چھوڑ دینے کا۔

اس طرح دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی دعوت اور دعوتی منہج کے چار اجزائے

ترکیبی ہیں۔ان میں سے ایک بھی چھوڑ دیا جائے تو نہ وہ دعوت الی اللہ ہوگی اور نہ وہ انبیائی منہج دعوت ہوگا۔

جہتِ ثالثہ: قتال، ہجرت

ان چاروں اجزاء پر دل سے یقین رکھنا اوران پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ بندگان خدا کو اس "سَبِيْلِ رَبِّ" کی طرف دعوت دینا بھی مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔اس طرح آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ حکمت، موعظۂ حسنہ اور جدال کی طرح قتال بھی منہج نبی آخر الزماں ﷺ میں شامل ہے۔

غور کیجئے کہ دعوت الی اللہ کے چاروں اجزائے ترکیبی کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعوت دی جائے گی تو کشمکش اور تصادم ناگزیر ہے اور غلبۂ دین کی منزل تک پہنچنے کے لئے کوشش کرنا ایک اہم فریضہ ہوگا اور غلبۂ دین کا تصور زبردستی کی کوئی لائی چیز نہیں ہے بلکہ دعوت الی اللہ کا منطقی نتیجہ ہے۔اس لئے اللہ کے سوا سارے معبودوں کی عبادت کا خاتمہ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ ساری ہستیوں، لیڈروں اور اولیاء کی اطاعت پر تیشہ چلانا غلبۂ دین کے بغیر ناممکن ہے اور ایسا نہیں ہوا ہے اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ سارے معبودانِ باطل اور ساری حکمراں ہستیاں برضا و رغبت اپنی جگہ چھوڑ دیں اس کے لئے کشمکش اور تصادم اور جہاد و قتال لازم ہے اس طرح دعوت و جہاد لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ جس طرح دعوت ایک فریضہ ہے اسی طرح جہاد و قتال کو بھی ایک فریضہ بتایا گیا ہے چنانچہ کتب علیکم القتال کہہ کر جنگ فرض کی گئی۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال:۳۹)

ترجمہ: ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہوجائے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللّٰہ...... (رواہ مسلم)

ترجمہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جنگ کروں لوگوں سے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دینے لگیں۔

اس آیت کے ضمن میں سید قطب شہیدؒ کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے۔

"ھذا منھج الدعوۃ و دستور ھا مادام الامر فی دائرۃ الدعوۃ باللسان والجدل، فاما اذا وقع الاعتداء علی اھل الدعوۃ فان الموقف یتغیر۔" (فی ظلال القرآن)

ترجمہ: یہی دعوت کا طریقۂ کار اور اس کا دستور ہوگا جب تک کہ دعوت اسلامی کا دائرہ صرف لسانی دعوت اور بحث و مباحثہ تک محدود ہوگا لیکن اگر دست درازی اہل دعوت پر واقع ہوجائے (یعنی اگر مخالف دست درازی پر اتر آئے) تو پالیسی بدل جائیگی۔

اس موقع پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اسلام کے چاروں اجزائے ترکیبی سمیت جب دعوت دی جائے گی

تو وہ نبی آخر الزماں ﷺ کے منہج کے مطابق اور اس میں سے ایک جزء بھی چھوڑا جائے تو اس کو دعوت الی اللہ کہنا مشکل ہے۔ اس مسئلہ پر قرآن کی ایک اور آیت سے بھی روشنی پڑتی ہے۔

يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ○ (المائدۃ:۶۷)

ترجمہ: اے رسول! تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے، اسے لوگوں تک پہونچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا یقین رکھو اللہ کافروں کو راہ نہ دکھائے گا۔

اس آیت سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ کل دین کی تبلیغ اور دعوت دینا ہی دعوت الی اللہ ہے اگر دین کی کچھ باتوں کی دعوت دینا جیسا کہ عام طور سے ہو رہا ہے اچھا کام تو کہا جا سکتا ہے، لائقِ تحسین بھی ہو سکتا ہے لیکن اس پر مطلق دعوت الی اللہ کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔

آیت میں "مَآ اُنْزِلَ" کی تبلیغ کا حکم ہے۔ لفظ "مَا" میں عربیت کے لحاظ سے عموم پایا جاتا ہے اس لحاظ سے "مَآ اُنْزِلَ" پورے دین و شریعت کی مختصر تعبیر ہے۔ آیت کے الفاظ میں اس بات کی صراحت ہے کہ اگر "مَآ اُنْزِلَ" کی تبلیغ نہ کی جائے تو کارِ رسالت ناتمام رہے گا اس مقام پر دعوت کے ضمن میں ایک اور آیت پر ایک نظر ڈالنا مناسب ہوگا:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ
(حم سجدہ:۳۳)

ترجمہ: اس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

اس آیت میں صرف ایک بات کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعوت اور عمل صالح کے ذکر کے ساتھ جو "اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" کہنے کی بات آئی ہے وہ کیوں آئی ہے؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کے اسلامی ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دعوت اسلامی اسٹیج سے دی جائے اور داعی گروہ کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے دی جائے۔

مشرک اور کافر اور سیکولر اسٹیج سے جو اسلام کی کچھ اچھی باتیں کی جائیں گی اس پر دعوت الی اللہ کا اطلاق نہیں ہوگا اور اس کو دعوت کے کاموں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

جہتِ رابعہ: صلح اور معاہدہ کو جواز کے دائرے میں رکھنا

جہاد وقتال کی فرضیت اور اہمیت کے مقام کو اس تناظر میں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ صلح کو جواز کے درجہ میں رکھا گیا ہے قرآن وسنت میں صلح اور معاہدے کو فرض اور واجب کہیں نہیں کہا گیا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جو صلح اور معاہدہ کیا وہ سب مؤقتی ہیں یعنی ایک خاص مدت کے لئے تھے۔ مستقل ناجنگ معاہدہ اور صلح کا کوئی ثبوت تاریخ اور سیرت میں نہیں ملتا اور نہ اصولاً اس کی گنجائش ہے اس لئے کہ اللہ کا دین غالب ہونے کے لئے آیا ہے، مستقل صلح اور معاہدہ سے اس نظریہ کی نفی ہوجاتی ہے۔ اس لئے منہج نبی ﷺ میں جنگ تو ثابت ہے لیکن ہمیشہ کے لئے صلح منہج نبی ﷺ کے خلاف ہے۔

اس موقع پر ایک بات اور قابل توجہ ہے وہ یہ کہ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ ہم مکی دور میں ہیں اور اس بہانے مختلف عنوان سے صلح اور معاہدے کا ذکر ہوتا ہے اور صلح اور معاہدہ کے نام پر کئی ناروا چیزوں کو جواز کے دائرے میں داخل کیا جاتا ہے لیکن مکی دور میں اجتماعی طور سے مشرکین سے کسی صلح اور معاہدہ کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ معاہدے مدنی دور میں ہوئے جبکہ مسلمانوں کی ایک حیثیت بن گئی تھی اور طاقت اور قوت کے اعتبار سے فریق مخالف کے مقابلے میں کھڑے ہوسکتے تھے۔ اس لئے کہ کمزور کا معاہدہ کرنا بے معنی چیز ہوتی ہے کمزور کو ہر صورت میں خواہ معاہدہ ہو یا نہ ہو طاقتور کے تابع ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ کسی موقع پر نبی ﷺ نے کسی سے بحیثیت امت مسلمہ کے سربراہ صلح کی درخواست نہیں کی۔ البتہ جب دوسروں کی جانب سے صلح کی خواہش کی گئی تو حسب موقع آپ نے قبول کیا اور رد بھی کردیا۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝ (سورۂ محمد:۳۵)

ترجمہ: پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست نہ کرو تم ہی غالب رہنے والے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

جہتِ خامسہ: فریق مخالف کی اطاعت ومحبت محرمات میں سے ہے

فریق مخالف یعنی کفار ومشرکین سے قلبی محبت ومؤدت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (الممتحنہ:۱)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.

(المجادلۃ:۲۲)

ترجمہ: تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔

اسی طرح ان کی اطاعت کی بھی از روئے قرآن کوئی گنجائش نہیں صراحت کے ساتھ کفار و منافقین کی اطاعت کی ممانعت ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکہف:۲۸)

ترجمہ: کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا

(الاحزاب:۱)

ترجمہ: اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو، حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے۔

محبت اور اطاعت دور کی بات ہے، ان کی طرف ادنی سے جھکاؤ کو بھی عذابِ الٰہی کا باعث قرار دیا گیا جیسا کہ آیت گزری "لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا"۔

ان مسلم حقائق اور قرآنی تصریحات کی روشنی میں یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ ان کی ماتحتی کو قبول کر کے یا برضا و رغبت ان کے زیر سایہ رہ کر جو کام بھی دعوتِ حق اور غلبۂ دین کے نام سے کیا جائے گا اس کا مقام اللہ کے پاس کیا ہوگا۔

جہتِ سادسہ: بر و قسط:

نیکی اور بھلائی اور عدل و انصاف کرنا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج میں ایک اہم اور نمایاں مقام رکھتا ہے چنانچہ کھلے ہوئے دشمنوں کے ساتھ عدل، نیکی اور انصاف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ○ (المائدۃ:۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن

جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (الممتحنہ:۸)

ترجمہ: جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

(۲۰۱۲ء)



دعوت اور مسائل



دعوت وتبلیغ کے الفاظ مترادف ہیں۔ دعوت الی اللہ ایک مستقل فریضہ ہے جس کا حکم قرآن میں صراحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ دعوت الی اللہ کے مفہوم میں جہاں اللہ کی عبادت واطاعت کی طرف بلانا ضروری ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت سے روکا جائے۔ گویا مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے دعوت دینے کا حکم ہے۔ اس طرح اللہ کے بھیجے ہوئے دین اور شریعت کی پابندی کی تلقین کرنا، ترغیب دینا اور ابھارنا دعوت کے اجزاء ہیں۔ یہی بات تبلیغ میں بھی آتی ہے چنانچہ فرمایا گیا:

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:٦٧)

ترجمہ: اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔

اس آیت میں "مَا" کے عموم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پورے دین اور پوری شریعت پر جیسے عمل کا حکم ہے ویسے ہی پورے دین اور شریعت کی تبلیغ بھی کرنی ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو تبلیغ کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اس آیت سے ایک دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی بقاء اور تحفظ کی ذمہ داری اللہ نے لے لی ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ تبلیغ کا حق جب بھی ادا کیا جائے گا اللہ تبلیغ کرنے والوں کے تحفظ اور بقا کا مسئلہ حل کر دے گا۔ بقا اور تحفظ کے مسئلے کیلئے مسلمانوں کو زیادہ فکرمند نہیں ہونا ہے ان کا کام تبلیغ کا حق ادا کرنا ہے۔

اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تبلیغ جب کی جائیگی تو شاید بقا اور تحفظ کا سوال بھی اٹھے گا اور مسلمانوں کے سر پر خطرے کی گھنٹی بجے گی۔ غالباً حکم تبلیغ کے ساتھ اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے۔ دعوت وتبلیغ کا نام بہت لیا جاتا ہے اور اس کا چرچا بہت ہوتا ہے۔ لیکن دعوت وتبلیغ اپنی اصلی شکل میں کم نظر آتی ہے۔ جہاں تک

دعوت کے مثبت پہلو کا تعلق ہے اسکا حق تو کسی قدر ادا کیا جاتا ہے لیکن اس کے منفی پہلو سے کم تعرض کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ تو کہا جاتا ہے کہ تنہا اللہ کی عبادت کرو اور اطاعت کرو لیکن غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت سے روکنے کا عمل ناقص رہتا ہے اسی طرح یہ بات تو بڑی تفصیل کے ساتھ آتی ہے کہ "مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ" اتباع کرو لیکن "خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ" کی اتباع قطعاً نہ کرو اس کی ہمت کم کی جاتی ہے اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اللہ کے مخلص بندوں کی اتباع کرو کی تلقین تو خوب کی جاتی ہے لیکن شیطان کے ایجنٹوں اور شاگردوں کی اتباع سے کنارہ کشی اور طاغوت سے اجتناب کے حکم کے موضوع پر کم بولا اور کم لکھا جاتا ہے۔

دعوت اور تبلیغ سے متعلق ان پہلوؤں پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔ دعوت و تبلیغ سے متعلق ایک پہلو پر اور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے موجودہ حالات میں مسائل کا ذکر بہت ہوتا ہے اور ان کے حل کی بہت باتیں ہوتی ہیں اور اس سلسلہ میں بہت تجاویز آتی رہتی ہیں اس میں ایک تجویز دین پسند طبقہ یہ پیش کرتا ہے کہ ہمارے تمام مسائل کا حل دعوت و تبلیغ ہے اس مسئلہ پر بھی ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔ دعوت و تبلیغ جیسا کہ ہم نے کہا ایک اہم فریضہ ہے جس کے ہم سب مسلمان پابند ہیں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اس حکم کی بجا آوری ضروری ہے۔ لیکن کیا اس حکم پر عمل اس لئے کیا جائے کہ اس سے ہمارے مسائل حل ہوں گے اور مسائل سے اس کے ذریعہ ہم چھٹکارا پا جائیں گے کیا یہ سوچنا اخلاص نیت کے مخالف نہیں ہے؟

کسی حکم کی تعمیل کرنا اس لئے ہونا چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے اس کو انجام دینے سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل ہوگی جنت میں جگہ حاصل ہوگی اس کے علاوہ کوئی اور محرک ہو، کسی اور نیت سے عمل کرنا، کیا یہ صحیح ہے؟ مثلاً نماز کوئی اس لئے پڑھے کہ اس سے میری صحت اچھی ہوگی اور اس میں ایک پہلو ورزش کا شامل ہے تو کیا ایسا کرنا صحیح ہوگا؟ اسی طرح دعوت کو اس حیثیت سے پیش کرنا اور اس نقطہء نظر سے اس کو عملی جامہ پہنانا کہ اس سے ہمارے مسائل حل ہوں گے۔ کیا صحیح ہوگا؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے جو بھی احکام ہیں ان میں نہیں معلوم کتنے فوائد اور منافع ہوتے ہیں لیکن بندے کو صرف دو پہلو پر نظر رکھنی چاہئے ایک تو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کا یہ حکم ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

دوسرے محرکات کے تحت اور دوسری نیتوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بجالانا، اندیشہ ہے کہ وہ اعمال مقبول نہیں ہوں گے۔ اس پہلو سے ہم جب غور کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا جو کام بھی ہو رہا ہے اس میں اس اعتبار سے بھی نقص ہے، دعوت و تبلیغ کا کام بلاشبہ ہونا چاہئے وہ ایک فریضہ ہے جس کی ادائیگی پر ہماری نجات اور کامیابی کا انحصار ہے چاہے ہمارے مسائل حل نہ ہوں اور ہم خطرات کے گھیرے میں

آ جائیں اور ہم اور ہماری جان و مال کو نقصان پہنچے بہر صورت یہ کام مسلمان کو کرنا ہے چنانچہ جب ہم دعوت وتبلیغ کی پوری تاریخ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ دعوت وتبلیغ سے کبھی مسائل حل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بہت سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں دعوت وتبلیغ کے کام سے۔

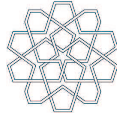
حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی سرگرمیوں کو دیکھئے کیا ان سے مسائل حل ہوئے یا ان سے مسائل میں اضافہ ہوا۔ انبیاء علیہم السلام نے جب جب دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا مسائل میں گھر گئے اور ان کی پوری قوم ان کے خلاف ہوگئی۔ ہر طرح سے لوگوں نے ان کو ایذاء پہنچانے اور دبانے، خاموش کرنے اور اپنے کام سے باز آجانے کیلئے دنیا بھر کی مشکلات اور مسائل میں انھیں پھنسایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اگر دعوت وتبلیغ سے رک جاتے اور خاموش بیٹھ جاتے تو قوم ان کو آگ میں نہیں ڈالتی اور ملک بدر نہیں کرتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر دعوت وتبلیغ کا کام نہ کرتے تو فرعون اور اس کی قوم ان کے پیچھے نہ پڑتی۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ صفا پر چڑھ کر بآواز بلند توحید اور آخرت کی بات نہ کرتے تو ابوجہل نہ بپھرتا اور کفار ومشرکین کے منشاء ومطالبہ کے تحت تبلیغ اور دعوت کی راہ میں جانفشانی کرتے تو پورے مکہ کے کھڑے کئے ہوئے مسائل سے محفوظ رہتے۔

الغرض تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ دعوت وتبلیغ سے کبھی مسئلے حل نہیں ہوئے ہیں۔ مشکلات کم نہیں ہوئی ہیں بلکہ مشکلات میں اضافہ ہی ہوا ہے اس کے باوجود اللہ کے نیک بندے دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہے اور ان گنت مسائل سے دوچار ہوتے رہے۔

(۲۰۱۳ء)



موجودہ حالات میں
اُمّتِ مسلمہ کی ذمہ داری



عالم اسلام کا حال

ہندوستان میں امت مسلمہ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے عالم اسلام کے حالات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔آج پوری دنیا میں جو مسئلہ سب سے زیادہ نمایاں اور قابل توجہ بنا ہوا ہے وہ مسلمان پناہ گزینوں کا ہے۔لاکھوں کی تعداد میں مختلف مما لک سے مسلمان اپنی آبادیوں سے نکل کر بھاگ رہے ہیں۔شام، عراق، لیبیا، یمن اور برما سے لوگ نکل رہے ہیں اور در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔کئی مما لک نے ان کے لئے اپنے دروازے بند رکھے ہیں۔کئی لوگ سمندر میں غرق ہوگئے ہیں۔یورپ کے مما لک نے ان کے لئے اپنے دروازے کھولے ہیں لیکن ان کی طرف سے پناہ دینا مسلمانوں کے ایمان اور اسلام کے لئے اندیشہ ہے کہ خطرہ بنے گا۔اس لئے ان کا پناہ دینا جہاں خطرہ اس لئے ہے کہ ان بے بس اور مجبور لوگوں کے لئے سہارا بننا اچھا کام ہے وہیں ان کی یہ غرض بھی پوشیدہ ہے کہ اس طرح سے کئی مسلمان عیسائیت کو قبول کرلیں گے۔اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی جان اور جسم کی حفاظت کیلئے کچھ شکل پیدا ہوئی ہے لیکن ان کے ایمان اور اسلام کیلئے خطرات اور اندیشے بڑھ گئے ہیں۔جس کی ذمہ داری سے مسلمان بچ نہیں سکتے۔اسلئے کہ انگلیوں پر گنے جانے کے لائق مسلم مما لک ہیں اور انہوں نے بھی مسلمانوں کیلئے اپنے دروازے بند رکھے ہیں۔دوسری طرف خود مسلمانوں ہی کے بعض لوگ وجہ اور سبب ہیں ان کے اپنے گھروں سے نکلنے کیلئے اور جائے پناہ کی تلاش کرنے کیلئے۔یہ مقام عبرت ہے کہ مسلمان ہی ایک دوسرے کو اجاڑ رہے ہیں اور در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کررہے ہیں!ایسی صورتحال میں ہندوستانی مسلمانوں کا حال تشویشناک ہو رہا ہے تو کیا تعجب کی بات ہے؟

ہندوستانی مسلمانوں کا حال

ہندوستانی مسلمانوں کی حالت جو آج دگرگوں ہوگئی ہے وہ یکا یک نہیں ہوئی ہے بلکہ ان کے خلاف تقریباً سوسال سے ایک تحریک چلائی جارہی ہے اور یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ ان کو ہندوستان میں رہنے کا حق نہیں ہے اگران کو ہندوستان میں رہنا ہے تو وہ ہندو بن کر رہیں۔ تقسیم ہند نے اس نظریہ کو مزید تقویت پہنچائی کہ مسلمانوں نے اپنا ایک ملک بنالیا ہے تو پھر ہندوستان میں ان کا کیا رہ گیا؟ چنانچہ یہ نعرہ بھی سنا گیا کہ......

''مسلمانوں کے دو اِستھان۔ پاکستان یا قبرستان''

اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہندوستان میں سو پچاس نہیں، سو دو سو نہیں ہزاروں فرقہ وارانہ فسادات کئے گئے اور کرائے گئے۔ جن میں مسلمانوں کی ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور بے شمار جائیدادیں اور املاک کی تباہی ہوئی۔ اس طرح کی کوششیں شاید ایک عرصہ سے کچھ کم ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ فسادات کروانے والوں کو مایوسی ہوئی ہے اور اس سے ان کی توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اس نظریہ کو مودی حکومت آنے کے بعد بہت قوت اور حوصلہ ملا ہے۔ چنانچہ گھر واپسی کے پروگرام کا بڑے وسیع پیمانے پر چرچا کیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ کی کڑی ذبیحہ بالخصوص گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگانا بھی ہے عدالت کا رجحان بھی بدلتا ہوا نظر آرہا ہے حتیٰ کہ ممبئی ہائی کورٹ نے عیدالاضحیٰ پر محض تین دن کے لئے ذبیحہ پر سے امتناع ہٹانے کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے پر جزوی پابندی لگا کر مسلمانوں کو گویا عادی بنایا جارہا ہے۔ بظاہر یہ چھوٹے چھوٹے واقعات اور چھوٹی چھوٹی باتیں نظر آتی ہیں، لیکن ان کے پیچھے ایک مستحکم نظریہ اور منصوبہ ہے۔ اس لئے اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے وجدان کہتا ہے کہ دیر سویر مستقبل میں ایک وقت آئے گا جب مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے ویسی ہی مہم زور پکڑ جائے گی جیسے اسپین سے سینکڑوں سال حکومت کرنے کے بعد بھی مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا تھا۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ سابق میں اس کی مثال اسپین میں گزر چکی ہے۔ اور مشرق وسطیٰ میں حالیہ دنوں میں لاکھوں مسلمانوں کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے مجبور ہو جانا ایک ممکن واقعہ ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد کا ہونا ایسا ہونے کیلئے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے۔ ذہن میں لائیے کہ اگر اکثریت، پولیس اور قانون تینوں ہم خیال ہو جائیں تو چھوٹے چھوٹے دیہاتوں کا سوال ہی کیا ہے! بڑے بڑے شہروں کی آبادیوں کو چند گھنٹوں کے الٹی میٹم پر ان کے گھروں سے نکالا جا سکتا ہے۔ اس طرح آپ دیکھیں تو پچھلی تاریخ اور موجودہ دنیا کی صورتحال اور عقل یہ تینوں چیزیں اس اندیشہ اور خطرہ کو یقینی بتاتے ہیں۔ مساجد اور مدارس کا قدیم سلسلہ، مسلم تنظیموں، جماعتوں

اور خانقاہوں کا شاندار نظام کوئی رکاوٹ نہیں بن سکیں گے۔ سب کے سب زمین بوس ہوجائیں گے اور قوی اندیشہ ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ہندوستان میں وہی دھمکی دی جائے گی جو گزری ہوئی تاریخ میں اہل ایمان کو دی گئی تھی، یعنی یا تو ہندو بن جاؤ یا ملک سے نکل جاؤ۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو ہم نکال دیں گے۔ قرآن کہتا ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ○ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ○ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ○

(الاعراف:۸۸-۹۰)

ترجمہ: اس کی قوم کے سرداروں نے، جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے، اس سے کہا کہ اے شعیبؑ، ہم تجھے اور اُن لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا شعیبؑ نے جواب دیا: کیا زبردستی ہمیں پھیرا جائے گا خواہ ہم راضی نہ ہوں؟ ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر تمہاری ملت میں پلٹ آئیں جبکہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے ہمارے لیے تو اس کی طرف پلٹنا اب کسی طرح ممکن نہیں الا یہ کہ ہمارا رب ہی ایسا چاہے ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، اُسی پر ہم نے اعتماد کرلیا اے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے، جو اس کی بات ماننے سے انکار کرچکے تھے، آپس میں کہا: اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کرلی تو برباد ہوجاؤ گے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ (ابراهیم:۱۴، ۱۳)

ترجمہ: آخر کار منکرین نے اپنے رسولوں سے کہہ دیا کہ یا تو تمہیں ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا ورنہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے تب اُن کے رب نے اُن پر وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کردیں گے، اور

اُن کے بعد تمہیں زمین میں آباد کریں گے یہ انعام ہے اُس کا جو میرے حضور جواب دہی کا خوف رکھتا ہو اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔

اوپر ہم نے دو مقام کی آیات نقل کی ہیں جن پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل چند باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلی بات یہ کہ اہل ایمان سے ایمان چھوڑنے کا مطالبہ کفار ومشرکین کی طرف سے کوئی نیا مطالبہ نہیں ہے، بلکہ ایسا مطالبہ بارہا ہوا ہے۔البتہ ہندوستان میں اس مطالبہ کا آغاز ہورہا ہے جو اندیشہ ہے کہ آئندہ چند برسوں میں شدت پکڑے گا۔

دوسری بات یہ معلوم ہورہی ہے کہ اصل وجہ ایمان اور اسلام سے وابستگی ہے جیسا کہ سابق میں ایمان اور اسلام اس مطالبہ کی وجہ بنے تھے۔ اگرچیکہ آج ہم مسلمانوں کا ایمان اور اسلام سے تعلق بہت بہتر نہیں ہے۔لیکن جو کچھ بھی ہے وہی اہل باطل کو گوارا نہیں ہے اور ہمارے اس کمزور رشتے کو بھی وہ ختم کردینا چاہتے ہیں۔ یہ بعض لوگوں کی نا سمجھی ہے کہ وہ اس کی وجہ غلط فہمی کو بتارہے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ اہل وطن کے ذہنوں سے اسلام کے بارے میں جو غلط فہمی ہے اس کو نکال دیں۔اور وہ اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ جب غلط فہمی دور ہوگی تو حالات معمول پر آجائیں گے اور اس کے لئے وہ غلط اور غیر معقول طریقے اپناتے ہیں۔مثلاً ہندوؤں کے تہواروں کے موقع پر آنا جانا، تحفے دینا، عید ملاپ کے پروگراموں میں بلانا، افطار پارٹیوں میں انہیں دعوت دینا، اپنے جلسوں اور دینی پروگراموں میں ان کو بلا کر اسٹیج پر بٹھانا اور اعزاز اور تکریم کا ان کے ساتھ برتاؤ کرنا۔ جبکہ بدعتی اور کافر کی تکریم اور تمجید کے لئے دین میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

صریح لفظوں میں اس سے منع کیا گیا ہے۔تاریخ کے اس تسلسل کو لوگ نہیں دیکھتے کہ ہر دور میں اہل شرک اور اہل کفر نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے؟ اور ایمان اور اسلام کے خلاف کہاں تک گئے؟ انبیاء علیہم السلام کفار ومشرکین کی غلط فہمیوں کو دور نہیں کرسکے جبکہ ان کے اخلاق واطوار ہمارے تصور سے زیادہ اعلیٰ اور افضل تھے تو ہم اور آپ ان کی غلط فہمیوں کو کہاں اور کیسے دور کرسکتے ہیں! اس لئے قرآن نے آگاہ کردیا ہے تم ان کو راضی اور خوش کرنے کی کوشش مت کرو۔ وہ تم سے راضی نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ قرآن نے کہا:

لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرۃ:۱۲۰)

ترجمہ: یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔

یہ تو یہود ونصاریٰ اہل کتاب کے بارے میں بتایا گیا ہے مشرکین تو ان سے بھی زیادہ اشد ہیں۔ان کو کہاں کچھ کیا جاسکتا ہے؟ اور ان کی غلط فہمیاں کہاں دور کی جاسکتی ہیں؟ اتنی صراحت کے ساتھ جو آگاہی دی گئی ہے،

نہیں معلوم اس آ گاہی سے دین پسند لوگ کیسے گریز کر رہے ہیں! اور اپنی دینی محفلوں میں ایسے لوگوں کو بلاتے ہیں جو کفر کے شعائر کے ساتھ آتے ہیں! ان خوشامد پسند لوگوں کی حد ہوگئی ہے کہ پولیس کے عہدیداروں کو بعض وقت عیدین کے مجمع میں نماز گاہ میں بلاتے ہیں!

دوسرے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں جوصورتحال ہے اس کے پیچھے تاریخی عوامل ہیں۔ان کا اشارہ تقسیم ہند کی طرف ہوتا ہے۔اس سے انکار نہیں کہ کسی صورتحال کے لئے جہاں بہت سے عوامل ہوں وہاں کچھ تاریخی عوامل بھی ہو سکتے ہیں لیکن ان بعض عوامل کو اصل نہیں قرار دیا جاسکتا۔اور سوچا جائے تو ان تاریخی عوامل کی بنیاد بھی اصل میں کسی نہ کسی قدر اور کسی نہ کسی شکل میں حق و باطل پر ہی ہوتی ہے، اس لئے تاریخی عوامل کو تسلیم کرتے ہوئے بھی حقیقی عامل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اوپر کی آیات سے تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل کفر کی اس دھمکی سے اہل اسلام پسپا نہیں ہوئے بلکہ ایمان پر ڈٹے رہے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور اپنے موقف سے ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔انہوں نے کسی بھی شکل میں مصالحت نہیں کی۔اور نہ کسی بھی شکل میں کمزوری اور پسپائی کا مظاہرہ کیا اور نہ تملق اور چاپلوسی ظاہر کی کہ سامنے والے ہم سے خوش ہو جائیں۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل ایمان اور اہل کفر کے درمیان کشمکش کا یہ مرحلہ نہایت ہی اہم اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔یہ مرحلہ جتنا سخت اہل ایمان کے لئے ہے اس سے کہیں زیادہ تشویشناک اہل کفر کے لئے ہے۔اہل کفر کے لئے تباہ اور نیست و نابود ہو جانے کا خطرہ ہے۔اس کے بعد مسلمانوں کے لئے باقی رہ جانے اور اسی سرزمین پر سکونت پذیر ہونے کی خوشخبری ہے۔بشرطیکہ اہل ایمان ثابت قدم رہیں۔

یہی شرط "ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ" میں بتائی گئی ہے۔یہ پہلو مسلمانانِ ہند کے لئے بہت خوش کن ہے۔اگر چہ حالات کا تجزیہ فی الحال یہ نہیں بتاتا، مگر حالات کو بدلنا کوئی ناممکن اور مشکل نہیں ہے۔اللہ کی قدرت میں سب کچھ ممکن ہے۔قرآن گویا صراحت سے کہتا ہے کہ اس مرحلہ کے بعد اہل کفر اور اہل شرک کے لئے بہ سلامت رہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

اس پہلو کو ہندوستان میں ہندو اکثریت کے سامنے بھی موقع سے پیش کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر تم ہم کو بے دخل کرو گے تو اس کے بعد اس کی کوئی گیارنٹی نہیں ہے کہ تم سلامتی کے ساتھ رہو گے۔تم پر بھی آفت آسکتی ہے۔اس لئے کہ تم سے زیادہ طاقت اور قوت رکھنے والے اور تم سے بہتر پوزیشن میں رہنے والے بھی اس زمین پر نیست و نابود ہوئے ہیں۔اور کب کیا ہوگا؟ اور کس کے لئے کب خوشحالی اور سکون میسر ہوگا؟ اور کس کے حق میں تباہی اور بربادی آئے گی۔یہ کہا نہیں جاسکتا۔

حال ہی میں اگر افغانستان سے ناکام ہوکر امریکہ جیسی سوپر پاور طاقت بھاگ سکتی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی چیز ناممکن نہیں ہے تم اپنی حد میں رہو اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرو یاد رکھو تم پر ایک دفعہ لگ چکی ہے کہ تم اللہ کی مسجد کو منہدم کر کے قرآن کی وعید کے مستحق قرار پا چکے ہو، قرآن نے صاف صاف کہہ دیا جو اللہ کی مسجد کی تخریب کے مجرم ہوں ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں شدید عذاب ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (البقرۃ:۱۱۴)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو؟ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی، تو ڈرتے ہوئے جائیں ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

حق و باطل کی اس کشمکش کی پوری تاریخ میں یہ تو ملتا ہے کہ اہل حق قتل کر دیئے گئے۔ آرے سے چیر دیئے گئے اور ایمان بچانے کے لئے غار میں چھپ گئے۔ وطن سے نکل گئے۔ گھر بار اور اپنے اعزہ اور اقربا کو چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ چلے گئے لیکن تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ اہل حق نے ایمان کو چھوڑ دیا ہو، یا ان کے اندر ایمان کے معاملے میں تھوڑی لچک، نرمی، مداہنت اور لو اور دو کی بنیاد پر کوئی مصالحت والی کیفیت پیدا ہوگئی ہو۔ گویا بے بسی اور لاچاری کی حالت میں اہل ایمان نے اپنے دشمنوں کا مقابلہ عزیمت اور استقامت سے کیا ہے۔ چنانچہ ہماری اوپر پیش کردہ آیات پر غور کیا جائے اور آیات سے پوچھا جائے کہ مشرکین کے چیلنج کے بعد اہل ایمان نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ کیا انہوں نے کوئی مصالحت کی راہ ڈھونڈی، کوئی تاویل کر کے ان کے کھینچے ہوئے دائرہ میں قدم رکھ دیا اور بچ گئے۔ یا دنیا میں خطرات سے بچنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جو اہل دنیا کرتے ہیں؟

تو قرآن کا جواب یہی ہوگا کہ اہل ایمان نے استقامت کی راہ اپنائی اور بقیہ سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیا۔ دیکھئے اس کے علاوہ ہماری پیش کردہ آیات کے علاوہ بھی کسی دوسرے مقام پر قرآن میں استقامت کے سوا کوئی تدبیر نظر نہیں آتی اور نہ بتائی گئی ہے۔ استقامت نام ہے اپنے موقف پر ڈٹے رہنے اور اذیتیں اور خطرات کو برداشت کرنے کا۔ اس استقامت کا ثبوت جب اہل ایمان دیتے ہیں تو اللہ کی طرف سے حق کے لئے راہ کھول دینے کا فیصلہ ہوتا ہے خواہ اہل حق ختم ہو جائیں اور اہل حق نہ رہیں لیکن اہل باطل ختم کر دیئے جاتے ہیں

اور حق کیلئے آئندہ مستقل راہ کھل جاتی ہے اور قرآن میں اہل حق کی راہ کب کب اور کہاں کہاں کھلی اس کی تفصیل تو ہمیں نہیں ملتی لیکن اس کا دوسرا پہلو قرآن کے بیان سے صاف جھلکتا ہے۔ یعنی اہل باطل کی شوکت اور سطوت کی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے اور وہ اس قابل نہیں رہ جاتے کہ حق کے مقابلہ میں دوبارہ اٹھ کھڑے ہوں۔

اس کی دو شہادتیں ہمارے سامنے ہیں ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون اور اس کی قوم کا ہے کہ آخری مرحلہ کے بعد اللہ نے ان کو نیست و نابود کر دیا اور پھر کبھی تاریخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے مقابلے میں کھڑے نظر نہیں آئے۔

دوسری مثال ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے کہ جب اہل ایمان نے استقامت کا مکمل طریقہ سے عملی ثبوت فراہم کر دیا تو اللہ نے ان کے لئے راہ کھول دی اور اس راہ کا آغاز ہجرت سے ہوا اور انجام فتح مکہ پر ہوا اس راہ کے کھلنے میں اہل حق کا کوئی بظاہر عمل دخل نہیں ہوتا جو کچھ ہوا اللہ کی طرف سے معجزاتی طور پر ہوا۔ دیکھئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے وقت کیسے بچ نکلے جبکہ حالات کی روشنی میں اس کا امکان کسی طرح سے نہ سمجھ میں آتا ہے، نہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح تین روز غار ثور میں محفوظ رہنا اور دشمنوں سے بچ جانا یہ بھی یقیناً ایک معجزہ ہی ہے۔

پھر غار ثور سے نکلنے کے بعد سراقہ بن جعشم کی گرفت سے محفوظ رہنا بھی ایک معجزہ ہے معلوم ہوا کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اہل حق کا کام صرف راہ حق پر استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سوسالہ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے اہل باطل کا مقابلہ استقامت اور عزیمت کے بجائے رخصت، مصالحت اور مداہنت سے کیا ہے۔ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے سے زیادہ انھیں قومی یکجہتی، سیکولرزم، گنگا جمنی تہذیب کی حفاظت کی فکر رہی ہے۔ میرا اشارہ ان مسلمانوں کی طرف نہیں ہے جو بعض علاقوں میں اپنے گھروں میں مورتیاں رکھتے ہیں۔

اسی طرح عباس نقوی جیسے لوگوں کی بات بھی میں نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں علماء، مفتیوں، دانشوروں اور اچھے مسلمانوں کی بات کر رہا ہوں۔ کفر و شرک کے نئے ناموں کمیونزم، سوشلزم کی طرح ایک نام سیکولرزم بھی ہے جس کی جو بھی تعریف کریں وہ اسلام نہیں ہوسکتا۔ اسلام نہیں تو کفر و شرک کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ مگر اس کو سب نے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کی حفاظت کے سو جتن بھی کئے ہیں۔ اور اسی کو اپنی پناہ گاہ مانا ہے۔ اس کے لئے کئی لوگوں نے اپنے بھائی بندوں اور کلمہ گو افراد کے خلاف لڑائی کے لئے آمادگی کا اظہار کیا ہے، اور لڑائی لڑی ہے۔ سیکولرزم یعنی کفر کے شعار، جھنڈے اپنے اداروں اور دفتروں کے سامنے لہرانے کے لئے دس دلیلیں پیش کی ہیں اور اسی میں

اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔

دیکھیے حال ہی میں گائے کی قربانی پر امتناع کو علماء نے حق بجانب قرار دیا ہے۔اس لئے کہ ''اسلام میں کسی کی دل آزاری منع ہے'' گویا وہ "لَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ، وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ" کو بھول گئے، اور اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو غیر اللہ کی رضا اور حکم پر حرام ٹھہرالیا۔ گویا ہم اللہ اور اس کی شریعت کے تابع نہیں ہیں، کفار و مشرکین کے حکم اور مرضی کے تابع ہیں۔ گائے کی قربانی سے رکنا علماء کی پسپائی ہے۔ اور رکنے کے لئے دلیل دینے کا مطلب ہے کہ حکومت اور اکثریت کی مرضی کے تابع ہیں اور یہ کہ ہر پسپائی کے لئے ان کے پاس دلیل پہلے سے موجود رہے گی۔ کہا جا رہا ہے'' قربانی دوسرے جانور کی بھی ہوسکتی ہے'' اصل میں سوال قربانی ہوجانے یا نہ ہونے کا نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ قربانی کس کی مرضی کے تابع ہو رہی ہے اور آپ کس کی مرضی کے تابع ہو کر فتویٰ دے رہے ہیں۔ گائے کی قربانی سے رکنے کے عمل میں کس کی مرضی کا لحاظ کیا ہے؟ اللہ کی یا غیر اللہ کی؟ شریعت کی یا غیر شریعت کی؟

قربانی اور ذبیحہ گائے کا مسئلہ کشمیر میں اٹھا تھا وہاں سے جو خبریں آئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے اپنے موقف پر جمے رہنے اور مزاحمت کرنے میں ہندوستانی مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ ہمت اور پامردی کا مظاہرہ کیا ہے حتی کہ خواتین بھی جیل گئی ہیں حوصلہ سے کام کیا ہے۔

اس کے قبل بابری مسجد کے سلسلہ میں مسلمانان ہند بالخصوص ان کے بڑے لوگ بغیر کسی مزاحمت کرے یا کسی آزمائشی دور سے گزرے اپنے موقف سے ہٹ گئے۔ انہوں نے اپنے موقف کا اس طرح اعلان کیا تھا کہ مسجد در و دیوار کا نام نہیں ہے مسجد جگہ کا نام ہے ایک بار مسجد جہاں بن گئی وہ قیامت تک مسجد رہے گی اور وہ زمین سے آسمان تک مسجد رہے گی اس کی اس حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا تمام مسلمان بھی مل کر اس کی حیثیت میں تبدیلی نہیں لا سکتے مگر اندیشوں کے پیش نظر اعلان کر دیا کہ عدالت کا جو بھی فیصلہ ہوگا ہم تسلیم کرلیں گے، یہاں تک کہ جو لوگ عدالت میں جانا گناہ سمجھتے تھے وہ اسی اعلان میں پیش پیش تھے۔

سوال یہ ہے کہ ایک شرعی معاملہ میں آخری فیصلہ کرنے کا حق عدالت کو کس نے دیا جس مسئلہ میں جملہ مسلمانوں کو کچھ کرنے کا مجاز نہیں مانا گیا تھا اس میں طاغوتی عدالت کو ہم نے حکم کیسے مان لیا۔ جس ہاتھ میں طاقت ہوتی ہے وہ جو چاہے کرے گا لیکن اس معاملہ میں عدالت کو حکم مان کر گناہ میں کیوں شریک ہوں۔ مسجد منہدم کردی گئی اس کی جگہ بت خانہ بنا دیا گیا، مسلمانوں نے کیوں شرکت کی بت خانہ بنانے میں۔ عدالت چاہے جو فیصلہ کرے یہ آئندہ کی بات ہے لیکن مسلمان عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کے اعلان کے ساتھ ہی

بت خانہ بنانے میں شریک ہوگئے اور مسجد سے دستبرداری مکمل ہوگئی اور مسجد منہدم کرنے والوں کے ساتھ جرم میں شرکت ثابت ہوگئی۔ خدا کے نزدیک یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم بے بس تھے کہ دل اور زبان تو تمہارے ہی اختیار میں تھے دل سے مان لیا اور زبان سے کیسے اعلان کیا۔

ابھی چند دن پہلے سوریہ نمسکار اور یوگا کا مسئلہ سامنے آیا اور مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس بارے میں کھلا اعلان کیا کہ اس میں شرکت کرنا شرک ہے۔ کوئی مسلمان چاہے جو کچھ ہو جائے اس میں شریک نہیں ہوسکتا اور اس کو تسلیم کر لینا گویا اپنی آئندہ نسل کو دریائے شرک میں ڈبودینا ہے اپنے اس موقف کا اعلان کی حد تک ایک اچھا مظاہرہ تھا لیکن اعلان کے آگے کوئی اقدام نہیں کیا گیا حالانکہ جہاں کفر و شرک یا ایمان واسلام کا سوال آجائے وہاں بغیر کسی تحفظ ذہنی کے کھل کر آگے آنا چاہیے اور کسی مصالحت اور مداہنت کی کیفیت پیدا نہیں ہونے دینا چاہیے۔ لیکن پہلے مرحلہ میں ہوا یہ کہ ایک کمزور سی کمیٹی بنا کر مولانا ولی رحمانی صاحب کے ذمہ مسئلہ کو حوالے کر دیا گیا اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے اہم لوگ اور اہم عناصر نے کنارہ کشی اختیار کرلی اور خاموش سے ہو گئے ادھر ولی رحمانی صاحب نے ادھر ادھر دو ایک جلسے کئے اور اس کے بعد بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی نروس ہوکر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئے ہیں۔ دو ایک جلسے جو کئے گئے وہ بھی بے جان تھے آیندہ کے کسی اقدام اور پروگرام کا کوئی ذکر نہیں آیا اور کسی طرح کے جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی گئی وہ یہ ہے کہ آئندہ ہم بڑا جلسہ کریں گے۔ کسی جلوس، ریالی، اور اپنی بات کو زوردار بنانے کے لئے جو پروگرام کئے جاتے ہیں ان میں سے کسی کا ذکر تک نہیں آیا اور کہیں اشارے سے بھی یہ نہیں کہا گیا کہ ہم اپنی بات کو منوانے اور زوردار بنانے کے لئے لاٹھی ڈنڈا کھائیں گے۔ جیلوں کو بھر دیں گے اور اپنے موقف سے ذرا بھی نہ ہٹیں گے اور یہ بھی نہیں کہا گیا کہ ہم گھر گھر جائیں گے اور مسلمانوں سے کہیں گے کہ ایسی تمام ملازمتوں کو ترک کردو جہاں سوریہ نمسکار اور یوگا کرنے پر مجبور کیا جارہا ہو اور سرپرست اور والدین سے گزارش کریں گے کہ اپنے بچوں کو ایسے اسکول کالج اور اداروں سے نکال لو جہاں پر سوریہ نمسکار اور یوگا سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

یہ تو بہت دور کی بات ہے کہ کہا جاتا کہ جہاں جہاں سوریہ نمسکار اور یوگا ہو رہا ہے وہاں وہاں ہم اداروں اور اسکولوں کے خلاف مظاہرے کریں گے اس طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان پہلے ہی مرحلہ اور پہلے ہی قدم پر اپنے موقف سے قدم ہی نہیں نظروں کو بھی پھیر لیا ہے اور شرک کی ساری قباحت ان کے اذہان سے نکل چکی ہے اور تو اور تشویش کی بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے آرگن ماہنامہ ''زندگی نو'' میں بعض لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ ''پہلے اور آج کے زمانے میں بہت فرق واقع ہوگیا ہے۔

بھارت کے تکثیری سماج کے اندر یہ بات سننے میں تو بہت بھلی لگتی ہے کہ دعوت راست انداز میں دینی چاہیے لیکن بھارت کے حالات دعوت کے اس طریقۂ کار کا نہیں بلکہ کسی اور طریقۂ کار کا تقاضہ کرتے ہیں''۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ ''ہم ابتدائی مرحلہ میں اگر مخاطبین کے عقائد اور دیوی دیوتاؤں کو تنقید کا نشانہ بنائیں گے بلکہ نظریاتی بت شکنی کریں گے تو نہ صرف یہ کہ وہ اسلام کے پیغام سے اور زیادہ متنفر اور بیزار ہو جائیں گے بلکہ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اس سے مزید فسادات رونما ہوں گے''۔

اس طرح سے عملی بت شکنی کا مظاہرہ کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا تو دور کی بات ہے نظریاتی طور پر بت شکنی کرنے کی بات کرنی بھی اندیشوں کی نذر ہوتے ہوئے نظـــر آ رہی ہے۔

یہ ایک نمونہ ہے اس بات کا کہ خطرات اور اندیشے اور راہ کی مشکلات کس طرح لوگوں کو نظریہ اور عقیدہ کے دائرہ میں بھی اپنا قبلہ بدلنے کے لئے آمادہ کرتی ہیں۔

(۲۰۱۵ء)



شریعت میں تبدیلی کا سنگین مسئلہ



مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی یا ترمیم موجودہ حکومت کرنے جارہی ہے یعنی شریعت محمدیہ ﷺ میں تبدیلی کرنے کی موجودہ حکومت نے ٹھان لی ہے۔ حالات کا رخ بتاتا ہے کہ صورتحال بڑی سنگین ہونے والی ہے۔ یہ ایک دینی مصیبت ہے جس کے ذریعہ مسلمانانِ ہند آزمائے جارہے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد بے شمار دنیاوی مصیبتیں مسلمانوں پر آچکی ہیں جن میں جانی اور مالی نقصان ہوا ہے، سینکڑوں اور ہزاروں فسادات ہوئے جن میں ہزاروں اور لاکھوں جانیں گئیں اور بلا حد وحساب مال اور جائیداد ضائع ہوئے لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کی جانب سے دینی مصائب کا سلسلہ شروع ہورہا ہے؛ اس ضمن میں ہم دو چیزوں کو شامل کرسکتے ہیں۔

ایک ہے ذبیحہ، اور دوسرے ہے مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا مسئلہ۔ ذبیحہ کا معاملہ کوئی چھوٹا معاملہ نہیں ہے۔ ذبیحہ پر پابندی اور پھر اس کو مسلمانوں کا تسلیم کرلینا یہ معنی رکھتا ہے کہ مسلمان حرام وحلال کرنے کا اختیار اور حق اللہ کے علاوہ دوسروں کے لئے تسلیم کررہا ہے۔ ہم کھا سکتے ہیں وہی چیز جس کی اجازت طاغوت وقت دے۔ ہم عبادت کے طور پر قربانی اسی جانور کی کرسکتے ہیں جس کی منظوری حکومت نے دی ہو اور جس جانور کے ذبیحہ کو وقت کا قانون محترم ٹھہرائے اس کو ہم نہ کھا سکتے ہیں اور نہ قربانی کرسکتے ہیں۔ یہ ہمارے دین میں کمی ہے۔ بعض اذہان میں یہ بات ہے کہ گائے کا گوشت کھانا اور گائے کی قربانی کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ضروری نہیں قرار دیا ہے۔ ہم دوسری چیزیں کھا سکتے ہیں اور دوسرے جانوروں کی قربانی کرسکتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں کس کی مرضی چل رہی ہے؟ اور کس کے حکم اور خواہشات کا لحاظ کیا جارہا ہے؟ قرآن میں کہا گیا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (المائدۃ:۴۹)

ترجمہ: اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اُتارا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ

کرو اور ان سے ہوشیار رہو کہ مبادا وہ تمہیں اس چیز کی کسی بات سے پھسلا دیں جو اللہ نے تمہاری طرف اُتاری ہے۔

قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَہۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ (المائدۃ:۷۷)

ترجمہ: کہہ دو اے اہل کتاب! اپنے دین میں بے جا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی اھواء کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے اور جنہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور جو راہ راست سے بھٹک گئے۔

سوال یہ ہے کہ ذبیحہ گاؤ پر پابندی کو قبول کر لینا کیا یہ کفار و مشرکین کی اھواء اور خواہشات کی اتباع نہیں ہے؟ ہمارے ملکی قانون کی بنیاد اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کی اھواء اور خواہشات کے علاوہ کس چیز پر ہے؟ اور حرام وحلال کا معیار اللہ کی ہدایت اور حکم کے علاوہ جس چیز کو بھی قرار دیا جائے گا وہ اھواء پرستی اور خواہش نفس کی پیروی کے علاوہ کیا ہوگا!؟ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی شریعت سے کیا یہ انحراف نہیں ہے؟ مسلمانوں نے ذبیحہ گاؤ پر پابندی کو بغیر کسی ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار کئے قبول کر لیا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس طرح کی پابندیوں کو قبول کر لینا عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے اور یہ قبولیت دیکھا جائے تو سراسر دباؤ کی بنیاد پر ہے۔ کسی شرعی دلیل کی بنیاد پر نہیں ہے۔ ہاں اضطرار کا نام اس موقع پر لیا جا سکتا ہے لیکن اضطرار اور مجبوری کا سہارا ہم کہاں تک لیں گے؟

دوسری مصیبت شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تبدیلی اور ترمیم کی شکل میں آرہی ہے۔ کہنے کے لئے تو ہر مسلمان چاہے وہ کسی طبقے کا ہو کہتا ہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان سے زیادہ عزیز ہے اور ہم ہر نقصان برداشت کر لیں گے لیکن اپنی شریعت میں کسی تبدیلی کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن حکومت وقت کے خلاف کہاں تک جا سکتے ہیں؟ اس سوال پر غور کیا جائے۔

پچھلے کئی مسائل میں مسلمانوں کا جو رویہ رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان سوائے چند اجتماعات اور جلسوں کے ذریعہ اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کے سواء کچھ نہیں کرے گا۔ قانون اور جمہوری اصولوں کے خلاف کچھ کرنا تو دور کی بات ہے دستور، قانون اور جمہوریت کے دائرہ میں اپنی ناگواری، غصہ اور نفرت کا اظہار کرنے کی جو گنجائش ہے وہ بھی نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے بعض سوچنے سمجھنے والے لوگ، علماء ومشائخ نظری اعتبار سے حکومت وقت کے خلاف کچھ کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ اس ضمن میں تقسیم سے پہلے برٹش دور حکومت کے علماء اور آج کے علماء میں زمین وآسمان کا فرق ہے آج ضرورت اور حاجت اور نفع ونقصان کی بنیاد پر فیصلہ

کرنے کا رواج عام ہو گیا ہے اور جانفشانی، ایثار و قربانی، اور برداشت کرنے کا حوصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے آرام طلبی، سہولت پسندی اور حیلوں اور بہانوں کے ذریعہ شرعی اعتبار سے ناگوار اور مکروہات کو برداشت کرنے کا رجحان عام ہوتا جا رہا ہے اور کسی چیز کو جائز اور ناجائز قرار دینے کے سلسلے میں عوام الناس کا مفاد، ان کی سہولت اور راحت کو پیش نظر رکھنا سب سے بڑا اصول بن گیا ہے۔

بہرصورت حالات بتاتے ہیں کہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی بھرپور کوشش کی جائے گی اور مسلمانوں کے لئے آخر میں سپر ڈال دینے، جھک جانے، سر تسلیم خم کر دینے اور آہ کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہ جائے گا۔ حالات کے تجزیہ میں یہ بات سامنے آ رہی ہے۔

اللہ کرے اس کے خلاف ہو اور مسلمان پوری پامردی کا اس آزمائش میں مظاہرہ کریں اور مسلم پرسنل لاء پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

یہ سوال کہ حکومت مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کرنے کے درپہ کیوں ہے؟

اس سوال کے جواب میں تین باتیں کہی جا سکتی ہیں...

پہلی بات یہ کہ موجودہ حکومت آر ایس ایس کی تھیوری کو لے کر چل رہی ہے اور آر ایس ایس کی تھیوری میں یہ بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کے لئے ہے۔ اس لئے ہندوستان کو ہندو راشٹر بنایا جانا چاہئے اور اس ملک میں سیکولرزم کے بجائے ہندوازم کا راج ہونا چاہئے اس لئے دوسرے نظریات اور مذاہب کو ہندوازم کے تابع ہو کر کے رہنا پڑے گا۔ خاص طور سے ان کے نزدیک اسلام ایک بڑا کھٹکنے والا کانٹا ہے۔

دوسری قوموں کے رسوم و رواج اور ہندوؤں کے طور طریقوں میں زیادہ فرق نہیں ہے اور دوسرا کسی مذہب کا ماننے والا ہندو طور طریقے اور رنگ روپ میں شامل ہو کر ہندو نہیں تو ہندو نما بن کر کے رہ سکتا ہے اور اس کے مذہب میں ہندوازم کے خلاف کوئی ٹھوس بات نظری حیثیت سے نہیں پائی جاتی۔ لیکن اسلام میں شرک اور بت پرستی ایسی ممنوع چیز ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ قریب جانا تو دور کی بات ہے اس سے مشابہت اختیار کرنا بھی اس کے لئے مشکل ہے ایسی صورت میں بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ آر ایس ایس اور ہندومت پر ایقان رکھنے والے اسلام اور مسلمانوں کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟

چنانچہ پچھلے تقریباً ستر سال سے اس رخ پر کام ہو رہا ہے اور بڑی پابندی اور مستعدی کے ساتھ آر ایس ایس کے نظریے پر منظم طریقے پر محنت کی جا رہی ہے۔ بہت انتظار کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ہندوستان میں ان کی حکومت قائم ہوئی ہے اس لئے ان کو اس سلسلہ میں بڑی جلدی ہے وقت گزرتا جا رہا ہے اور ان کا احساس بڑھتا

جارہا ہے کہ ہماری معیاد کا آدھا وقت نکل گیا اور ہم اپنا کچھ کام نہیں کر سکے۔ اس لئے مسلمانوں کو اپنی خوش فہمی اور سیکولرزم پر بھروسہ چھوڑ دینا چاہئے اور یہ مان کر چلنا چاہئے کہ بی جے پی حکومت مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کرنے کی راہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھے گی۔ اِلاَّ یہ کہ قدرت کی جانب سے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ ان کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے۔

دوسری بات اس سوال کے جواب میں کہ حکومت کو جلدی کیا پڑی ہے؟ یہ کہی جاسکتی ہے کہ بی جے پی حکومت کو رام مندر بنانی ہے اس لئے کہ اگر وہ رام مندر بنا لیتے ہیں تو ملک کی اکثریت کے سامنے یہ بات کھلے طور پر آجائے گی کہ بی جے پی نے الیکشن میں جو وعدے کئے تھے وہ بڑی حد تک پورے کر دیئے، بہت سارے وعدے پورے کرنے کے لئے بہت کچھ اس کو کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ رام مندر کی تعمیر کا آغاز کرنے سے پہلے ٹرائیل کے طور پر مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے اور خاص طور سے طلاق ثلاثہ کی بات نمایاں کی جارہی ہے کہ مسلمانوں میں حکومت سے ٹکر لینے اور حکومت کی راہ میں آڑے آنے کا کتنا دم خم ہے اس کا اندازہ لگا لیا جائے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس معاملہ میں بی جے پی کامیاب ہوجاتی ہے تو گویا اس کے سامنے راہ کھل جائے گی کہ اب ہمارے کاموں میں کہیں سے رکاوٹ پیدا ہونے والی نہیں ہے۔

تیسری بات جو کہی جاسکتی ہے یا کہی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ بی جے پی کے سامنے ایک بہت بڑی مہم اتر پردیش کا الیکشن ہے کہ اتر پردیش کے الیکشن میں وہ کامیاب ہوجاتی ہے تو پھر اس کے مقابلے میں کوئی آواز اٹھانے کی ہمت نہیں کرے گا اس لئے کہ اتر پردیش سب سے بڑی ریاست ہے اور لوگوں کے تجزیے اور خیال کے مطابق ہندوستان پر حکومت کرنے والے دراصل اتر پردیش کے لوگ ہی ہوتے ہیں اس لئے کہ پارلیمنٹ میں انہی کی اکثریت ہوتی ہے۔ بی جے پی حکومت مسلم پرسنل لاء کا نام لے کر اور اس پر ایک بڑا حملہ کر کے ہندو مسلم دونوں کو برانگیختہ کر دینا چاہتی ہے اور ان کے درمیان ایک نمایاں خلیج بنا دینا چاہتی ہے اس طور سے کہ مسلمان جس قدر بی جے پی سے نفرت کریں گے اور بی جے پی کے خلاف آواز اٹھائیں گے اسی قدر ہندوؤں میں بھی اشتعال پیدا ہوگا اور ان کے اندر بی جے پی کی تائید اور حمایت کے لئے جوش پیدا ہوگا اور حالات ایسے بن جائیں گے کہ بی جے پی کی مخالفت ہندو دھرم اور ہندو قوم کی مخالفت کے ہم معنی ہوجائے گی۔

اس موقع پر یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ جو لوگ بی جے پی حکومت کے اقدام کو محض ایک الیکشنی حربہ سمجھتے ہیں اور یہ بات کہہ کر اس صورتحال کو کم اہمیت دیتے ہیں اور وقتی سمجھتے ہیں ان کی یہ سوچ ایک بڑی بھول ہے بہر صورت بی جے پی کے ذہن اور منصوبے میں جو بات بھی ہو مسلمانوں کے حال اور مستقبل کے لئے بڑی ہی

بھیانک صورتحال پیدا ہوچکی ہے۔

اصل وجہ اور موجودہ صورتحال کا پس منظر کیا ہے اور اس کے اسباب وعلل کیا ہیں؟

اس کے تعلق سے ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے وہ مادی نقطۂ نظر سے کہا ہے اور جن عوامل کو ظاہری اعتبار سے لوگ حالات کے بننے بگڑنے میں مؤثر مانتے ہیں۔لیکن حالات میں جو زیروزبر پیدا ہوتا ہے اس کے پیچھے کچھ مخفی اور روحانی عوامل بھی ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے لیکن وہ کام کرتے ہیں۔عام طور پر ان عوامل کی طرف ذہن نہیں جاتا اور ظاہر بین نگاہیں ان کو کچھ اہمیت نہیں دیتیں لیکن ظاہری اور مادی عوامل کے مقابلے میں وہ زیادہ مؤثر علت اور سبب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قوموں کے اور تہذیبوں کے عروج وزوال پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ ہر قوم اور ہر تہذیب زوال پذیر ہونا اسی وقت شروع ہوتی ہے جب کہ وہ بام عروج پر پہنچی ہوتی ہے۔ اس کے عروج وزوال کے درمیان خط کھینچنا دنیا کے دانشوروں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ایک کمزور قوم اور تہذیب ایک وقت میں کچھ نہیں ہوتی اور پھر دیکھتے دیکھتے ستاروں سے آگے پہنچی ہوئی نظر آتی ہے اور ایک قوم اور تہذیب بام عروج پر پہنچ جاتی ہے حالات اس کے موافق ہوتے ہیں وسائل اور ذرائع کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں ہوتی اور پھر دیکھا جاتا ہے کہ اس کے اندر انحطاط اور زوال کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے وہ وقت آجاتا ہے کہ گرتی ہوئی دیوار کے مانند اس کو سنبھالنا اور اپنی حالت پر قائم رکھنا مشکل ہوجاتا ہے اور لاکھ تدبیریں کی جائیں سب بے سود ہوجاتی ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اور تاریخ میں ایسا بار بار ہوتا ہے اس کے اسباب کیا ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حالات کے پیچھے مخفی اور روحانی عوامل اپنا کام کرتے ہیں جن کو ظاہری نگاہیں نہیں دیکھتیں۔انہی عوامل کی طرف ایک ہلکا اشارہ سورۂ روم کی آیت ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ میں کیا گیا ہے یعنی زمین میں جو بگاڑ،فساد،خلفشار،بدامنی،بے چینی پھیلی ہوئی ہے اس کی اصل وجہ اور سبب کوئی نمرود،کوئی فرعون،کوئی ابوجہل اور کوئی ابولہب نہیں ہے بلکہ اصل وجہ لوگوں کے کرتوت اور اعمال ہیں۔اسی طرح ہمیں سمجھنا چاہئے کہ آج ہم جس آزمائش میں پڑے ہیں اس کی اصل وجہ اور سبب کوئی پارٹی،کوئی شخصیت نہیں ہے بلکہ اصل وجہ ہمارے کرتوت ہیں۔ بدکردار پارٹیوں اور ظالم شخصیتوں کی شکل میں ہمارے اعمال اور افعال ہمارے سامنے ہیں۔بعض بزرگوں کے سلسلہ میں آتا ہے کہ جب وہ کسی دینی مصیبت میں پھنستے تو یہ سوچتے کہ مجھ سے کیا گناہ ہوا ہے جس کی وجہ سے مجھ پہ مصیبت ہے مثلاً کوئی نماز قضاء ہوگئی تو سوچتے مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ یہ مصیبت آئی ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بتاتی ہے کہ جیسے جیسے ان کی بداعمالیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ ویسے ویسے ان پر تنگیاں

اور شرعی احکام پر عمل کرنے میں دشواریاں پیدا ہوتی گئیں۔آج ہمیں سمجھنا چاہئے شریعت پر عمل کی راہ میں جو دشواری سامنے آرہی ہے اس کیلئے صرف آر ایس ایس اور بی جے پی ذمہ دار نہیں ہے ہم خود بھی ذمہ دار ہیں۔ ہمیں دنیاوی تدبیریں کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا چاہئے اور شریعت پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنے سے بچنا چاہئے۔

ہماری کوتاہی اور بدعملی کی کوئی انتہا نہیں ہے دیکھئے۔۔۔جس مسلم پرسنل لاء کو خطرہ میں دیکھ کر آج تشویش میں مبتلا ہیں وہ پوری شریعت کا دس فیصد حصہ ہے اور بلا مبالغہ 90 فیصد حصہ شریعت کا ہم بھول چکے ہیں۔ 70 سال کے عرصہ میں 90 فیصد شریعت چھوٹ جانے پر ہمارے اندر کسی طرح کی بے چینی کا کہیں سے اظہار ہوا ہے؟ گویا شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک بڑے حصہ کا ہمارے ہاتھ سے نکل جانا کوئی بڑا نقصان ہماری نظر میں نہیں ہے۔

دوسرے موضوعات پر تنظیمیں انجمنیں، اکیڈیمیاں بنتی رہی ہیں لیکن اس موضوع پر کہ پوری شریعت پر مسلمان عمل پیرا ہوں، مکمل شریعت کا نفاذ ہو، جس کو نظام اسلامی، نظام مصطفی، حکومت الٰہیہ اور اقامت دین جیسے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔کوئی انجمن، کوئی تنظیم، کوئی اکیڈیمی وجود میں نہیں آئی بلکہ پوری دنیا میں جو رجحان پیدا ہو رہا ہے وہ یہ کہ فقہ الاقلیات مدون کی جائے اور اس پر عمل ہو رہا ہے۔فقہ الاقلیات کا تخیل پیدا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محکوم اور مغلوب بن کر رہیں گے اور ہمارے ساتھ ساتھ اللہ کا دین بھی مغلوب رہے گا بلکہ دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ جہاں کہیں سے پوری شریعت کے نفاذ کا خیال پیدا ہوتا ہے اس کو اس طرح سے دبا دیا جاتا ہے گویا وہ ایک بڑی بدعت کا آغاز ہو رہا ہے۔انحطاط جب کہیں بھی شروع ہوتا ہے تو وہ رکتا نہیں۔مسلم پرسنل لاء کے محفوظ رہنے پر ہمارا صبر کرنا یہ انحطاط کا ہی ایک دور تھا۔زمانے کے حالات اور خود ہمارے حالات جس رخ پر جا رہے ہیں ہمارا انحطاط اور آگے بڑھے گا اور ہم نیچے جائیں گے اور دس فیصد شریعت کا حصہ بھی ہمیں چھوڑنا پڑے گا۔

ہمارا دینی فریضہ

اس مرحلہ میں ہمارے لئے لازم ہے اور ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہم مزید نیچے جانے سے رک جائیں اور بچی کھچی شریعت جس کو مسلم پرسنل لاء کہا جاتا ہے اس کو باقی رکھنے کیلئے ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو جائیں اور مصائب اور مشکلات سے خوفزدہ نہ ہوں ساتھ ہی ہم آئندہ تحفظ شریعت ہی نہیں نفاذ شریعت کی بات کریں۔ آگے بڑھنے کا شعور ہمارے اندر پیدا نہیں ہوگا تو ہم پیچھے جائیں گے اور نیچے جائیں گے اور موجودہ حالات اور

موجودہ سطح پر دینی حیثیت سے باقی رہنا ممکن نہیں ہوگا۔ کسی گروہ کسی قوم کا ایک سطح پر باقی رہنا عام قدرت کے قانون کے خلاف ہے یا تو کوئی قوم، گروہ آگے بڑھے گا یا پھر پیچھے ہٹے گا یہ بات ہر میدان میں دیکھی جاتی ہے چاہے وہ دنیوی حالت اور کیفیت ہو یا دینی حالت اور کیفیت ہو۔ بہر طور مسلم پرسنل لاء پر موجودہ خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں، ہمیں اللہ کی طرف سے متنبہ کرنے کے لئے ایک ٹھوکر لگائی جا رہی ہے۔

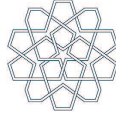
ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار ہونا چاہئے اور آنکھ کھول کر حالات کو دیکھتے ہوئے اور اللہ کی طرف سے ایک نئی تنبیہ سمجھتے ہوئے مسلم پرسنل لاء پر ہونے والے حملہ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ اور اپنے اندر آگے بڑھنے کا حوصلہ اور اُمنگ پیدا کرنا چاہئے اور موجودہ زمانے کے لحاظ سے جو تدابیر کی جانی چاہئیں، ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا چاہئے اور یہ سمجھنا کہ جو دینی مصیبت ہم پر آ رہی ہے اس کے ذمہ دار اصل میں ہم ہیں اور ہمارے اعمال ہیں۔

(۲۰۱۷ء)



پوری دنیا کے حکمرانوں کے نام ایک پیغام

"چھٹکارا لڑائی سے نہیں عاجزی سے"



وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ (طٰہٰ: ۴۸-۴۷)

میں ہر اعتبار سے اللہ کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔ آپ کو بھی اس بات کا شعور ہونا چاہئے کہ آپ اپنی حیثیت اور حقیقت کو پہچانیں۔ آج آپ جس مصیبت میں گرفتار ہیں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آپ کورونا سے لڑائی کی بات کرتے ہیں، کورونا سے لڑائی کی بات کرنے کا مطلب ہے "رب کورونا" سے لڑائی کرنا۔ ایک طرف "رب کورونا" وہ ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا۔ وہ ذرّہ ذرّہ کو غذا مہیا کرتا ہے۔ ہوا چلاتا ہے، سورج کو روزانہ مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کر دیتا ہے، جس سے دن غائب ہو جاتا ہے اور پوری دنیا پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ مردہ زمین سے غلہ کا پودا اگاتا ہے جس سے سارے جانداروں کی غذا مہیا ہوتی ہے۔ آسمان سے بادل کے ذریعہ پانی کی بوندیں نازل کرتا ہے جس سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ بتایئے ان میں سے کون سا کام ہے جو آپ کر سکتے ہیں۔

اس تناظر میں بتایئے آپ کی حیثیت کیا ہے؟؟؟؟

کیا آپ سورج کے طلوع ہونے کا وقت جو اس رب نے مقرر کیا ہے اس سے ایک منٹ پہلے نکال سکتے ہیں؟

یا غروب ہونے کا جو وقت اس نے مقرر کیا ہے اس میں ایک منٹ کی تاخیر کا سبب بن سکتے ہیں؟

اسی طرح جو سسٹم اس نے غلہ پیدا کرنے کا بنایا ہے اس میں کوئی تبدیلی اور ردو بدل کر سکتے ہیں؟

آسمان سے پانی کی بوند کا جو وقت متعین کیا ہے اس میں تقدیم و تاخیر کر سکتے ہیں؟

اور یہ حقیقت ہے کہ یہی وہ رب ہے جس کے حکم کے بغیر کسی متنفس اور رینگنے والے جاندار کو زندگی کی نعمت نہیں مل سکتی۔ جس کے "کُنْ" کہے بغیر کوئی چھوٹی بڑی چیز عالم وجود میں نہیں آسکتی۔

مختصر یہ کہ آپ اور آپ کے سائنسدانوں نے کوئی چیز دراصل پیدا نہیں کی بلکہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں سے اللہ کی دی ہوئی عقل سے استفادہ کی شکلیں بنائی ہیں۔ بڑے سے بڑا کوئی انسان یعنی کوئی سائنسدان مچھر کی ایک ٹانگ اور مکھی کا ایک پَر بھی نہیں بنا سکتا۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اس رب نے بنائی ہے اور اس کے اندر قویٰ اور خاصیت بھی اس رب نے پیدا کی ہے۔ جس نے "کورونا" پیدا کیا ہے اور کورونا کے جراثیم پیدا کئے ہیں۔ جن جراثیم کو آپ دیکھ نہیں پاسکتے ہیں اور پاسکتے ہیں تو تھوڑا موڑا اس رب کے دیئے ہوئے آلات کے ذریعہ ہی۔ جس حقیر کورونا کے مقابلے آپ ساری ایجادات کے باوجود پسپا ہو چکے ہیں۔ آپ اپنی مادی قوتوں اور طاقتوں کے باوجود بے بسی اور لاچاری کا نمونہ بن چکے ہیں اس کے باوجود آپ اس رب سے لڑائی کی بات کرتے ہیں یہ کتنی بڑی حماقت ہے!

آپ کو اس بات کا شعور ہونا چاہئے کہ آپ سارے لاؤلشکر کے باوجود "رب کورونا" سے لڑ نہیں سکتے۔ آپ کو اب یہ جان لینا چاہئے کہ آپ کی طاقت "رب کورونا" کی قدرت کے مقابلے پر کاہ سے بھی حقیر ہے۔ رب تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ انسانوں کو ان کی تمام قدرت کے نظام کے باوجود گاہے بہ گاہے بے بسی ولاچاری کا مشاہدہ کرواتا رہتا ہے تاکہ دل و دماغ آلائشوں سے محفوظ رہیں اور نظر صرف اس ایک رب کائنات کی طرف ہو جائے۔ اب کی بار یہ احساس اس نے کورونا کے ذریعہ دلانا چاہا ہے۔

اس لئے رب کورونا کے مقابلے میں لڑنے کی بات چھوڑیئے اور عاجز بندہ کی شکل میں اس کے سامنے آیئے۔ اس سے رجوع کیجئے عاجزی کیجئے، گڑگڑایئے اور اپنی غلطیوں، ناشکریوں کی معافی مانگئے اور یہ سمجھئے کہ کورونا جیسی آفت نے آج سارے عالم کو جو اپنے گھیرے میں کر لیا ہے وہ ہمارے کرتوتوں اور غلطیوں کے سبب سے ہوا ہے۔ ہمارے کفر وعصیاں اور ظلم و جور بغاوت اور سرکشی کے سبب ہوا ہے۔ رب کی عظمت، ہیبت، جلال اور قدرت کی معرفت سے دور ہونے کے سبب ہوا ہے۔ اپنی روش سے باز آیئے توبہ کیجئے کہ ہم پچھلی غلطیوں جیسی غلطیاں نہیں کریں گے اور ساری عوام اور اپنے محکوموں کی برائیوں کو اپنے سر لیجیے اور تسلیم کیجئے کہ

ہر سرکشی اور خطا کے پیچھے ہمارا کچھ نہ کچھ ضرور حصہ ہے اور جس وباء نے سارے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اس کی وجہ دراصل ہم ہیں۔

اس لئے ہم توبہ کرتے ہیں اور توبہ اس شکل میں کرتے ہیں کہ ہم اپنے عہدوں سے مستعفی ہوتے ہیں۔ یعنی اس طرح مودی سے لے کر صدر امریکہ ٹرمپ اور شاہ سلمان اور سبھی حکمران، حکمرانوں کی صف سے نکل کر محکوموں کی صف میں شامل ہو جائیں۔ اور زمین و آسمان کی بادشاہی و حکمرانی کا جو حقیقی حقدار ہے اپنی حکمرانی اور اپنے آپ کو اُسی کے حوالے کر دیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (آل عمران:۱۸۹)

یہ وہ شکل ہے جو سارے جہاں کے پروردگار کی جانب سے شاید انسانوں کی توبہ کی قبولیت کا درجہ حاصل کر سکے۔ یاد رکھئے کہ توبہ کا دروازہ ہر شخص کے لئے صرف تب تک کھلا ہے جب تک اس کی سانس باقی ہے لیکن اگر کسی نے رب تعالیٰ کے مقابلے پر خسارے کی جنگ کا فیصلہ کر لیا ہے تو اسے بھی جان لینا چاہئے کہ موت تو بہر حال اُس کو بھی آنی ہی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

(۲۰۲۰ء)



فلسطینیوں کے جذبۂ سرفروشی کا منبع



غزہ کا علاقہ ایک بہت ہی چھوٹا علاقہ ہے۔ ہندوستان کے بڑے شہروں کلکتہ، بمبئی، دہلی، بنگلور اور حیدرآباد میں سے کسی ایک شہر کے برابر بھی نہیں ہے۔ ایک چیری یا کہا جائے کہ ایک پٹی ہے جس کی لمبائی چالیس کلومیٹر اور چوڑائی دس کلومیٹر ہے۔ جس کے ایک طرف سمندر ہے اور دوسری طرف ایک مستحکم دیوار ہے۔ سمندر اور دیوار کے درمیان بیس لاکھ انسان جن میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے اور جوان ہیں جو زندگی گزار رہے ہیں۔

اس بات کا ہمارے لیے تصور بھی مشکل ہے کہ وہ کیسے زندہ ہیں!؟

جبکہ سات سال سے پورے طور سے ان کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ اپنے گھیرے سے نکلنے کی بھی انہیں مجال نہیں ہے۔ اور دنیا کی سپر پاور اور اس کے حلیف طرح طرح سے وسائلِ زندگی ان تک پہنچنے سے روک رہے ہیں۔ پانی، بجلی اور ایندھن ضرورت کے مطابق ان کو نہیں مل رہا ہے۔ باہر کی امداد کا ان تک پہنچنا دشوار ہے۔ ایسی حالت میں زندگی کے بسر ہونے کا ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟ اور ان کے مشکلات ومصائب کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے؟ ایسے حالات میں اوپر سے ان پر بمباری بھی ہو رہی ہے۔ اور اب تک یعنی ماہِ اگست کے ابتدائی دنوں تک کی خبروں میں آیا ہے کہ تقریباً دو ہزار لوگ شہید ہو چکے ہیں۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ ان شہداء کی تجہیز وتکفین کی کیا شکل ہوتی ہوگی؟

اسی کے ساتھ ساتھ ہزاروں زخمی ہیں۔ ان کے علاج ومعالجہ کا معاملہ کیسے حل کیا جا رہا ہوگا؟

ان کی آہ وبکا کو کون سننے والا ہوگا؟ ان کی تڑپ اور بلبلاہٹ کو کون دیکھنے والا ہوگا؟

اور ان کی پکار کو کون سننے والا ہوگا؟

خصوصاً معمول کے حالات میں ضرورت کو پوری کرنے کے لیے دواخانے اور ہسپتال پہلے سے ہی نہیں تھے۔ اب ان حالات میں باہر سے کسی مؤثر مدد کے ان تک پہنچنے کا امکان تک نہیں ہے اور پہلے سے اپنے بچاؤ اور دفاع کا سامان بھی موجود نہیں ہے۔ ایسی مجبوری کی صورتحال میں عام ذہن اور عام عقل یہی کہتی ہے کہ باشندگان غزہ کو گر پڑ کر اور ہاتھ جوڑ کر اسرائیل سے صلح کی درخواست کرنی چاہئے اور اس درخواست کو منظور کرانے کیلئے ہر طرح کی منت سماجت اور گڑگڑاہٹ پر تیار ہو جانا چاہئے۔ اور اپنے اوپر آئی ہوئی آفت اور مصیبت سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے۔ اور اپنے ہمدردوں سے سفارش کروانی چاہئے اور اس درخواست کے منظور ہونے کیلئے رات و دن دعا کرنی چاہیے۔ اور بیت المقدس، مسجد نبوی اور خانہ کعبہ کے مصلیوں اور پھر دنیا کے سب اللہ والوں اور بزرگوں سے اپیل کرنی چاہیے کہ وہ دعا کریں کہ اسرائیل کے پاس ہماری درخواست شرف قبولیت کا درجہ حاصل کر لے۔

یہ تقاضہ ہے ایک عقل عام کا، اور تقاضہ ہے مصیبت اور بے بسی کے چنگل سے نجات پانے کی خواہش کا، لیکن فلسطینیوں کا جو طرز عمل ہے اس کو دیکھ کر ساری دنیا کے دانشمند حیران ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں!؟ عرب وزرائے خارجہ صلح کیلئے کچھ تجاویز پیش کرتے ہیں تو ان کو اسرائیل نہیں فلسطینی مسترد کر رہے ہیں، ٹھکرا رہے ہیں۔ اور ان تجاویز کو قابل غور بھی نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد کو قابل التفات نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اور نہ دنیا کی کسی قوم، کسی برادری، کسی انجمن، کسی تنظیم سے اپیل کر رہے ہیں کہ ہمیں اسرائیل کے عذاب سے بچاؤ! یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بے عقلی، بے دانشی، کم فہمی اور حالات کی نزاکت اور تقاضوں سے بے شعوری ان کے اندر کیوں پیدا ہوئی ہے اور وہ خود اپنی جانوں کے دشمن کیوں ہو گئے ہیں؟ کیا ان کے اندر سمجھدار اور دور اندیش لوگ نہیں ہیں؟ کیا تاریخ سے سبق حاصل کرنے والے اور صلح و صفائی اور رواداری کی اہمیت اور منفعت کو سمجھنے والے ان کے یہاں ناپید ہو گئے ہیں؟ روز کی بمباری میں سینکڑوں لاشوں اور زخمیوں کا منظر دیکھتے ہوئے بھی انہیں عقل کیوں نہیں آ رہی ہے؟ جبکہ یہ منظر یک لخت ختم ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسرائیل سے صلح کی وہ پیش کش کر دیں۔

ہم نے بہت غور کیا کہ فلسطینیوں کی اس سوچ، فکر اور ذہنیت کا ماخذ اور منبع کیا ہے؟ اور وہ کیوں اتنی استقامت، پامردی اور جماؤ کا مظاہرہ کر رہے ہیں؟ تو ہمیں اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ملا کہ ان کے اندر ایمان اور یقین کی جو جوت اور روشنی ہے اس میں وہ اپنی منزل دیکھ رہے ہیں اور جو لوگ ایمان و یقین کی اس

کیفیت سے محروم ہیں، ان کے لئے مشکل ہے کہ فلسطینیوں کے ذہنی مقام کو دیکھ اور سمجھ سکیں۔

جہاں تک فلسطینی مسلمانوں کی سوچ اور فکر کے ماخذ ومنبع کا سوال ہے تو اس کا سراغ قرآن کی بعض آیتوں پر غور وفکر سے ہمیں مل سکتا ہے:

مثلاً قرآن کہتا ہے:

① — فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ○ (سورۂ محمد:۳۵)

ترجمہ: پس تم بودے نہ بنو سمجھوتے اور صلح کی دعوت نہ دو۔ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال ضائع نہ کرے گا۔

یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ دشمنوں سے سخت کشمکش جاری تھی ایک طرف مشرکین مکہ اور یہودی اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو کچل دینا چاہتے تھے۔ اور ان کو روکنے والی کوئی طاقت موجود نہیں تھی مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی قوت وطاقت، اسلحہ وساز وسامان بے انتہا زیادہ تھا۔ کوئی سوچ نہیں سکتا تھا کہ مسلمان ان کے مقابلہ میں ٹک سکیں گے۔ فاتح اور غالب ہونے کا سوال ہی کیا تھا؟ دوسری طرف منافقین خیر خواہ اور ناصح وہمدرد بن کر مسلمانوں کو وقت کی نزاکت سمجھاتے تھے کہ ان سے ٹکرانا عقلمندی نہیں ہے۔ ہماری اور دشمنوں کی قوت میں زمین آسمان کا فرق ہے اگر ہم ان سے ٹکرائیں تو مٹ جائیں گے ہماری دعوت ختم ہو جائے گی۔ عقلمندی اور دانشمندی یہی ہے کہ ہم ان کے مقابلہ میں آنے کے بجائے دب کر رہیں اور جنگ وجہاد کی نوبت نہ آئے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ہدایت دی کہ دیکھو تم کمزور پڑ کر اور بودے بن کر صلح کے پیامی نہ بنو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم ہی غالب رہو گے اس لئے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اللہ تمہارے اعمال یعنی کارروائیوں کو رائیگاں نہ کرے گا دنیا اور آخرت، دونوں جہاں میں ان کو بارآور اور نتیجہ خیز بنائے گا دنیا کی ناکامیوں کو خاطر میں نہ لاؤ۔ دنیا چند روزہ ہے آخرت کی کامیابی ہی اصل چیز ہے جس کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اپنی ناکامی کو سامنے دیکھ کر کفار ومشرکین کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا اللہ پر ایمان وتوکل کے خلاف ہے اور دنیا میں مسلمان ناکام بھی ہو جائیں تو کوئی بات نہیں ہے آخرت میں باطل کے سامنے جمے رہنے کا جو اجر وثواب ملنے والا ہے وہ بڑی چیز ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کے خسارے کی کوئی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔

یہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر خطرات کے ہجوم کو دیکھ کر ایمان میں مزید جوش پیدا ہوتا ہے چنانچہ مومنوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۞-اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ○ (آل عمران:۱۷۳)

ترجمہ: اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں ان سے ڈرو۔ تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔ اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

۞- وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ○ (آل عمران:۱۴۷-۱۴۶)

ترجمہ: ’’اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے ان کی دعا بس یہ تھی ’’اے ہمارے رب ہماری غلطیوں، کوتاہیوں کو درگزر فرما۔ ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا اسے معاف فرما۔ ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔‘‘

مذکورہ بالا آیات کے ذریعہ اس سوچ وفکر کا صاف طور سے سراغ ملتا ہے کہ ایک مسلمان کے نزدیک اصل چیز کیا ہے اور اصلاً وہ کیا چیز ہے جس کے لئے وہ لڑتا ہے؟

فلسطینی مسلمان جس استقامت، پامردی اور دلیری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس میں تمام مسلمانوں کے لئے جہاں ایک نمونہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں کس طرح آج بھی ڈٹے رہا جا سکتا ہے اور صبر و استقامت کی اپنی پرانی تاریخ آج بھی دہرائی جا سکتی ہے۔ وہیں دنیا کی ساری اقوام کے لئے ایک آگاہی ہے کہ مسلمانوں کو تر نوالہ نہ سمجھیں۔ جب ان کے اندر ایمان، یقین اور بیداری پیدا ہو جائے گی تو وہ کسی بھی دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گے۔ اور وہ کسی روکے سے رکیں گے نہیں۔

(۲۰۱۴ء)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس پر فدا ہونا مبارک ہو!



گزشتہ جمعہ کے واقعات اور اس کے بعد کی مجموعی صورتحال اور پروپیگنڈوں کے متعلق چند باتیں اور اپنے احساسات آپ تمام کے سامنے اس امید کے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں کہ

ع شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

ہم ہندوستانی مسلمانوں کو تقسیم ہند کے بعد سے ہی وقفہ وقفہ سے بے شمار مسائل درپیش رہے ہیں اور جو مسئلہ بھی سامنے آیا ہے وہ آج تک حل نہیں ہوسکا ہے چاہے وہ بابری مسجد کے تحفظ کا مسئلہ ہو یا دیگر شعائر کا، فسادات میں جان و مال عزت و آبرو کے تحفظ کا مسئلہ ہو یا شریعت کے تحفظ کا مسئلہ، پرسنل لاء میں مداخلت کا مسئلہ ہو یا شہریت کے تحفظ کا مسئلہ، گاؤ ذبیحہ کا مسئلہ ہو یا اذاں وحجاب پر پابندی کا مسئلہ، گیان واپی مسجد اور متھرا کی شاہی عیدگاہ سمیت تین ہزار سے زائد مساجد کے تحفظ کا مسئلہ ہو یا فرضی مقدمات میں مسلم نوجوانوں کی گرفتاریوں اور حراستی اور غیر حراستی انکاؤنٹرس کا مسئلہ۔ ان مسائل کے بعد آج جو سب سے بڑا مسئلہ ہمیں درپیش ہے وہ ہے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کا مسئلہ۔

گزشتہ سترہ دن سے ہر صاحب ایمان شخص اپنی اپنی جگہ نہایت بے چین و مضطرب ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی ہوئی ہے اور نہ صرف شَاتِمِیْنِ قرار واقعی سزا سے بچے ہوئے ہیں بلکہ مختلف ریاستوں میں ایف آئی آر درج کرانے کے باوجود بھی حکومت کی جانب سے ان مجرمین کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی ہے۔

لہٰذا احتجاج تو ایمانی، فطری اور قانونی تقاضہ تھا یہی وجہ ہے کہ اس زخم تازہ کے ساتھ ستر سالوں میں روا

رکھے جانے والے ہر ظلم و ناانصافی کے تمام زخم ہرے ہو گئے اور مسلمانوں کے غم و غصہ کا سیلاب اُمڈ پڑا۔اس غم و غصہ کا اظہار بالکل فطری اور واجبی ہے اور جمہوریت پر یقین رکھنے والوں کی زبانی یہ احتجاج بالکل جمہوری حق ہے۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اس احتجاج کو ہماری مذہبی اور سیاسی قیادت جرم سمجھ رہی ہے اور وہ یہ سوال اٹھا رہی ہے کہ دینی، ملی و سیاسی قیادت کی جانب سے کسی بھی احتجاج سے باز رہنے اور سڑکوں پر نہ آنے کی پرزور اپیلوں اور بیانات کے باوجود بھی عام مسلمانوں کا سڑکوں پر نکلنا اور احتجاج کرنا کس کی شہ پر ہوا ہے اور مسلم نوجوانوں کو کس نے اکسایا ہے؟

یہ سوالات بالکل فضول اور بیجا ہیں کیونکہ ہر مسلمان نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو شرط ایمان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری کو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی کو خوش بختی کی علامت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس کی خاطر جان لینے اور دینے کو سعادت سمجھتا ہے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیس کروڑ امتی اس ملک میں رہتے ہیں اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جناب میں گستاخی ہوتی ہے تو یہ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے یہی وہ احساس تھا جس نے ایک عام مسلمان کو بھی اپنے ایمان کا عملی مظاہرہ کرنے پر اکسایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کروایا۔ یہ دراصل احتجاج سے زیادہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی محبت، عقیدت اور وفاداری کا اظہار تھا۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس ملک کی حکومت انتظامیہ اور پولس مسلمانوں کے کسی بھی احتجاج اور مظاہرے کو پرامن رہنے نہیں دیتی۔اس طرح وہ ان سے احتجاج کے حق کو چھیننا چاہتی ہے اور ان کی آواز کو دبانا چاہتی ہے گزشتہ نماز جمعہ کے بعد بھی یہی ہوا ہے۔ملک کی تقریباً ہر ریاست میں مسلمان نماز جمعہ کے بعد اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی محبت وعقیدت کے اظہار کے لئے مسجدوں سے باہر نکلے لیکن ان کو کھل کر اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کرنے دیا گیا۔ پولس نے ہر جگہ بزور تشدد ان کا راستہ روکا، بھگوا وادیوں کے ذریعہ ان پر پتھراؤ کروایا، لاٹھی چارج کیا گیا، آنسو گیس کے گولے پھینکے گئے، رانچی میں تو پوائنٹ بلینک رینج سے ان پر گولیاں چلائی گئیں۔اگر کچھ جی دار نوجوان اپنے دفاع میں اور اشرار کو اپنے سے دور رکھنے کے لیے ہاتھ میں پتھر اٹھاتے ہیں تو یہ ان کا جرم قرار پاتا ہے۔دکھ اس بات کا ہے کہ اپنوں کے نزدیک بھی وہ مجرم قرار پاتے ہیں! پھر حکومتیں ان کے گھروں پر بلڈوزرز چلاتی ہیں اور اپنے ان کے دلوں پر!

جمعہ کے واقعات کے بعد بعض مسلم قائدین کی جانب سے جو بیانیے سامنے آرہے ہیں وہ نا صرف قابلِ

افسوس بلکہ انتہائی شرمناک ہیں۔ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ اس نازک وقت میں اپنے بچوں کو مجرم ٹھہرانے کے بجائے ان کے ساتھ کھڑے ہوتے،ان کے پشتیبان بنتے،ان کے زخموں پر مرہم رکھتے،ان کے درد کا درماں بنتے،ان کے دلوں کو ڈھارس دیتے،ان کے حوصلوں کو برقرار رکھتے،ان کے عزائم کو سراہتے اور ان کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنالیتے۔مگر افسوس کہ قیادت آج اس موقع پر بھی اپنی مردہ ضمیری اور بےحسی کا ثبوت دے رہی ہے۔الزام تراشیاں کر کے اور بہانے بنا کر مسلم نوجوانوں کی مدد سے اپنا ہاتھ اٹھا رہی ہے۔ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ پولیس ظلم پر سوال کیے جاتے کہ نہتے بچوں پر پوائنٹ بلینک رینج سے گولیاں چلانے کا کیا جواز ہے۔ بغیر ایف آئی آر کے گرفتاریاں کرنے کا کیا جواز ہے۔بغیر جرم ثابت ہوئے گھروں پر بلڈوزر چلانے کا کیا قانون ہے؟؟ نوجوانوں پر انگلی اٹھانے سے پہلے قیادت کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔آپ اپنا محاسبہ کیجیئے آپ نے اپنی حکمت ومصلحت،فراست اور صبر وتحمل کے ذریعہ ان ستر سالوں میں کیا حاصل کیا ہے؟ کوئی ایک چیز بھی حاصل کیا ہو تو بتلایئے!؟ بلکہ جو کچھ ہاتھ میں تھا اسے بھی گنوا بیٹھے ہیں۔البتہ نوجوانوں نے ہر موقع پر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

اور آج الحمدللہ ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کی خاطر،اپنے نبی ﷺ سے محبت کے جرم میں اپنے سینوں پر گولیاں اور اپنے جسموں پر لاٹھی،ڈنڈے اور پتھر کھا رہے ہیں اور قید و بند کی تکلیفوں سے گزر رہے ہیں۔بڑے خوش نصیب ہیں یہ نوجوان! ان کی خوش بختی کے کیا کہنے! اگر اس سب کے بدلے انھیں ساقئ کوثر ﷺ کے ہاتھوں جام کوثر نصیب ہوجائے تو یہ گھاٹے کا سودا ہرگز نہیں ہے۔واقعی بڑے خوش نصیب ہیں شہید مدثر وشہید ساحل رحمہما اللہ جنھیں رب تعالیٰ نے کروڑوں کے درمیان سے اپنے حبیب ﷺ کی ناموس کے حوالے سے چن لیا۔اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے!اس سے بڑی کامیابی بھلا اور کیا ہوسکتی ہے!ایک نوجوان صحابی کو جب دشمن کا نیزہ لگا تو وہ۔"فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ"۔(رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا) کہہ کر شہید ہوگئے۔ہم بھی اپنے شہداء کے متعلق یہی یقین رکھتے ہیں کہ "رب کعبہ کی قسم یہ کامیاب ہوگئے۔" زندگیاں سینت سینت کر رکھنا اور بچانا نہیں بلکہ زندگیاں نچھاور کردینا اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔

"وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"

غازی علم الدین شہیدؒ نے جب گستاخِ رسول ﷺ کا سر کاٹا اور پھانسی کے پھندے کی طرف چلے تو علامہ اقبال جن کی شاعری کی روح عشق رسول ﷺ تھی۔نے کہا تھا کہ......

"ایک بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا اور ہم منہ دیکھتے رہ گئے"

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے!

حضرت خبیبؓ کو دردناک اذیتیں دینے کے بعد جب انھیں سولی پر چڑھایا جانے لگا تو کفار نے بطور استہزاء کہا کہ خبیب! کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ کاش! میرے بدلے میں محمد ہوتے!؟ انھوں نے فوراً تڑپ کر کہا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھ جائے اور بدلے میں میں آزاد ہو جاؤں!

ناموس رسالت ﷺ کی خاطر سر کاٹنے اور کٹانے والوں سے تاریخ اسلامی کے سنہرے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ آج اس گئے گزرے دور میں بھی حضرت خبیبؓ کے نقش قدم پر چلنے والے، اپنے نبی ﷺ سے والہانہ محبت رکھنے والے نوجوان موجود ہیں جو اپنے نبی پاک ﷺ کی تکلیف پر تڑپ اٹھتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان اپنے دل میں نبی پاک ﷺ سے محبت کی شمع جلائے کہ جس کے بغیر ایمان ثابت ہی نہیں ہوتا۔ ہر قسم کی قربانی اور دفاع کے لیے تیار رہے اور کسی بھی قسم کے ڈر اور خوف کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دے۔ یہ عاشقان مصطفیٰ ﷺ کے لیے آزمائش کی گھڑی ہے۔ یہی ایمان کو ثابت کرنے کا وقت ہے۔ یہی اپنے آپ کو خوش بختوں کی فہرست میں شامل کرانے کا وقت ہے۔ یہی چھٹائی کا وقت ہے جب مؤمنین کا ایمان اور منافقین کا نفاق ظاہر کیا جاتا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ (العنکبوت:١١)

ترجمہ: ''اور اللہ ضرور جان کر رہے گا کہ کون لوگ ایمان والے ہیں اور کون منافق ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (آل عمران:١٦٦-١٦٧)

ترجمہ: ''اور دونوں جماعتوں کے مقابلہ کے دن جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ اللہ کے اذن سے ہی پہنچی اور یہ اس لئے ہوا تا کہ وہ مومنوں کو دیکھ لے اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لے جو منافق ہیں۔''

آگے ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (آل عمران:١٦٨)

ترجمہ: ''یہ لوگ تو خود بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو مارے

نہ جاتے۔ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال کر دکھاؤ۔''

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ○

(آل عمران:۱۴۰)

ترجمہ:''اور (یہ دن تم پر اس لئے لایا گیا) کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سچے اہل ایمان کون ہیں اور چاہتا تھا کہ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید بنائے۔اللہ کو ظالم لوگ پسند نہیں ہیں۔''

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ○

(العنکبوت:۲-۳)

ترجمہ:''کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے، کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کی ہم آزمائش کر چکے ہیں تو اللہ ان لوگوں کو ضرور جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

ہمارے ذہنوں میں ہمیشہ یہ بات مستحضر رہے کہ مسلمانوں کو ہر دور میں اپنے دین و ایمان کی راہ میں آزمائشیں پیش آئی ہیں اور تا قیامت آتی رہیں گی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور ہر دور کے مسلمانوں نے پوری پامردی کے ساتھ ان آزمائشوں کا سامنا کیا ہے اور الحمدللہ کامیاب رہے ہیں۔بلاشبہ جس گھر کے بھی بچے شہید ہوئے ہیں، زخمی ہیں، گرفتار ہو کر اذیتیں سہہ رہے ہیں اور جن کے گھروں پر بلڈوزر چلائے جا رہے ہیں ان گھروں پر تو قیامت ٹوٹ پڑی ہوگی، ان کے عزیز و اقارب کے دکھ اور غم کا تو ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے! لیکن ہم دکھ کی اس گھڑی میں ان کے ساتھ شامل ہو کر ان کے دکھ کو ہلکا کر سکتے ہیں۔زخمیوں کے بہترین علاج کا سامان کر سکتے ہیں۔گرفتار نوجوانوں کی رہائی کے اسباب فراہم کر سکتے ہیں۔ہم میں سے جس کے بس میں جو ہے وہ اپنی ذمہ داری سمجھ کر کرے ورنہ روزِ محشر پیارے رسول ﷺ کا سامنا نہیں کر سکیں گے اور اللہ کی گرفت سے بچنا بھی محال ہو جائے گا۔

بہر حال مسلمانانِ ہند اس حقیقت کا ادراک جتنی جلد کر سکیں ان کے حق میں اتنا ہی بہتر ہے کہ اگر ہندوستان میں مسلمان بن کر رہنا ہے تو اپنی جان و مال کی قربانی پیش کرنی ہوگی، اس درد سے گزرنا ہوگا ورنہ اس ملک میں ہم مسلمان بن کر نہیں رہ سکیں گے۔

(۲۰۲۲ء)

